Title - GUL BAKAOLI

Creator - Nihal Chand Lahori

Publisher - Darul Ishaat (Lahore).

Date - 1927.

Pages - 105

Subject - Urdu Dastan
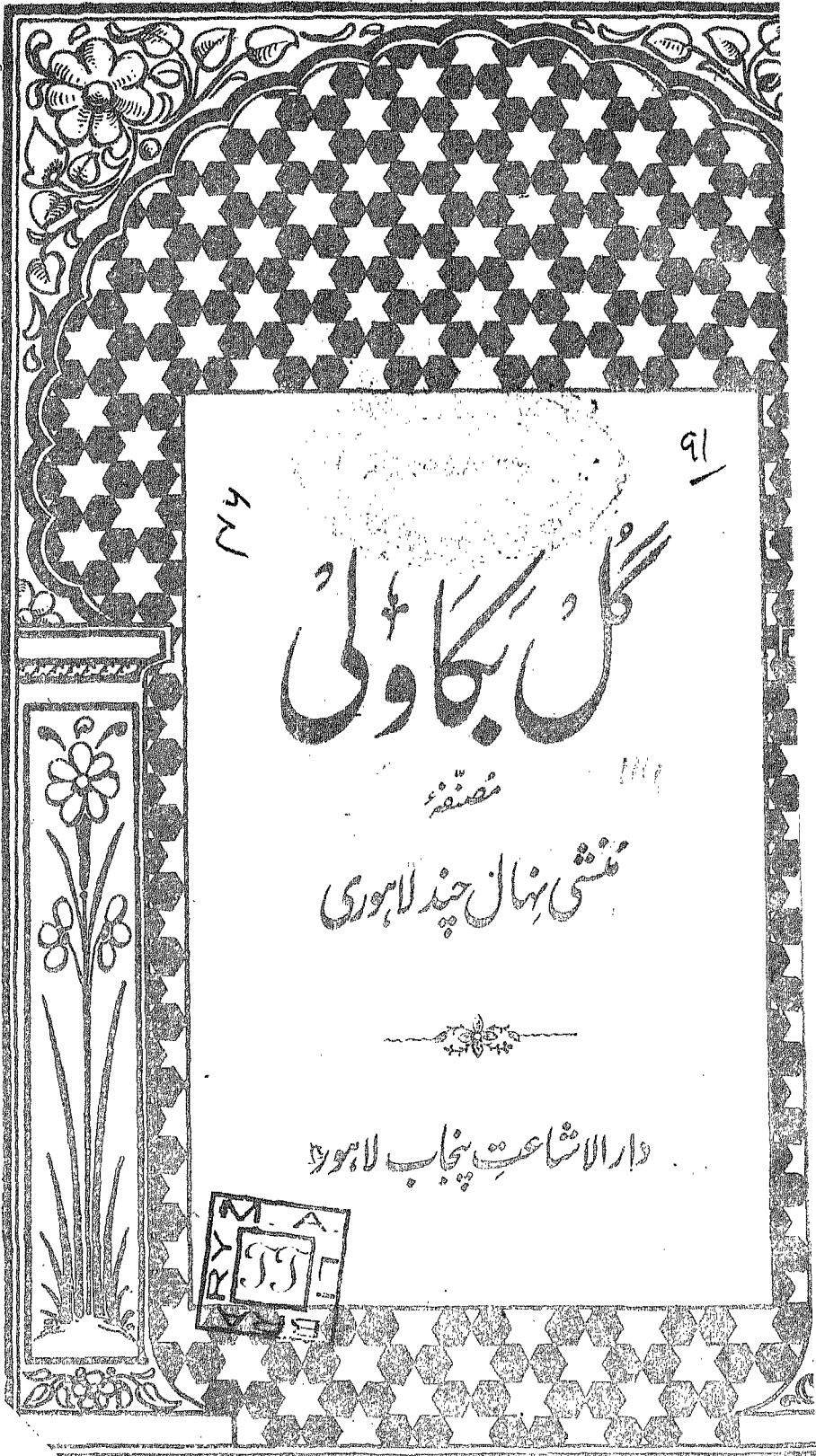
گلِ بکاؤلی
مصنفہ
منشی نہال چند لاہوری
دار الاشاعت پنجاب لاہور
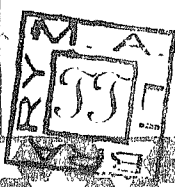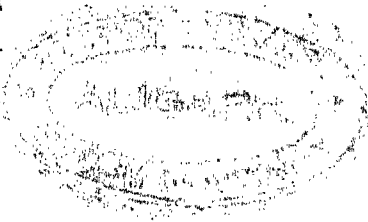
مُقدمہ
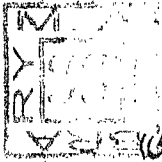
(از قلم معجز رقم جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی)

دارالاشاعت پنجاب نے یہ بہت خوب کیا۔ کہ گُل بکاؤلی کا قصہ طلبہ کی عمر اور ان کی طبائع کا لحاظ رکھ کر اس صورت میں شائع کیا ہے۔ ورنیکولر اور اینگلوورنیکلر مدرسوں کے طلباء اس سے بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اُردو میں ایسی کتابیں کم تھیں۔ جن سے مبتدی مستفید ہو سکیں، نہ صرف طالب علم بلکہ ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ضرورت لابُد ہے کہ اُن اشغال کے بعد جو وقت موجودہ میں اس کے لاحق حال ہیں۔ دل و دماغ کی صحیح تفریح کا کچھ سامان ہو، موسیقی۔ نقاشی۔ ناٹک اور فسانہ وغیرہ ہی ایسی چیزیں ہیں جو کام سے تھکے ہوئے ذہن کو مفرح کر سکتی ہیں۔ اس نقطہ نظر سے اس کتاب کی اشاعت نہایت اہم ہے۔ اس کے علاوہ اس کی زبان عمدہ ہے۔ چونکہ پنجاب میں عموماً اُردو ابتدائی

تعلیم کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری اور مفید متصور ہو سکتا ہے۔ اس کی زبان بہت صاف اور عبارت سلیس واقع ہوئی ہے۔ ایک اور نظری سبق اس کتاب سے یہ ملتا ہے۔ کہ ایک شخص جو اُردو کا اہل زبان نہ ہو۔ مگر اس نے اُردو کو غور اور انہماک سے حاصل کیا ہو۔ اُردو میں عمدہ تصنیف و تالیف کر سکتا ہے۔ اس کتاب کا مؤلف منشی نہال چند لاہوری کا رہنے والا تھا۔ یہ واقعہ اس تالیف کو اور دلچسپ بناتا ہے۔

باغ و بہار کی طرح یہ کتاب بھی فارسی سے اُردو میں ترجمہ ہوئی۔ اور اس کی عمر بھی باغ و بہار کے لگ بھگ ہے۔ یعنی مسٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں لکھی گئی۔ باغ و بہار کی تالیف کی تاریخ ۱۲۱۷ھ ہے۔ اسی سال میں گل بکاولی کا قصہ بھی لکھا گیا تھا۔ اس وجہ سے اس کتاب کو اُردو نثر کی تاریخ میں قدامت کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ تالیف کے قریب پچاس برس بعد ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ کے مشہور شاعر پنڈت دیا شنکر نسیم نے اس قصہ کو مثنوی کی صنف میں نظم کیا۔ اور گلزار نسیم نام رکھا۔ گل بکاولی کے قصے ہی سے امانت لکھنوی نے اپنے مشہور ناٹک اندر سبھا کا پلاٹ اخذ کیا۔ جس کی تصنیف کی تاریخ ۱۲۷۰ھ کے قریب ہے۔ انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گا۔ کہ یہ کتاب اور اس کا قصہ کس قدر مقبول اور ہر دلعزیز ہے۔

اُردو تھیٹر نے گل بکاولی کے قصہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اس میں سے تین ناٹک بنائے۔ گل بکاولی۔ سنگین بکاولی۔ اور چترا بکاولی۔ ان میں چترا بکاولی اپنے وقت میں بہت چل نکلا تھا۔ اور نہایت پسند

کیا جاتا تھا +

نوعمر طلباء کے لئے جیسا دلچسپ انگریزی میں "ایلس ان دی ونڈرلینڈ" کا قصہ ہے۔ گل بکاولی کا قصہ اس سے کم دلچسپ نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر نتیجہ خیز ہے۔ جوئے کی خرابیاں جیسی تاج الملوک کے بھائیوں کو پیش آئیں۔ غیر کفو میں شادی یا محبت کے مصائب۔ جو تاج الملوک اور بکاولی پر گزرے۔ جاہلانہ ضد اور نامناسب بے اعتباری کی آفتیں جو ہمارے ہیرو کے ہاتھوں راجہ اندر کے حکم سے بکاولی کو سہنی پڑیں۔ بے احتیاطی اور بھید کو محفوظ نہ رکھنے کا نتیجہ جس سے تاج الملوک نے وہ پھول جس کے لئے اتنی سختیاں جھیلی تھیں اپنے ہاتھ سے گنوایا۔ یہ سب اور ان کے علاوہ اَور ایسی باتیں بھی اس کتاب میں موجود ہیں۔ جن کی تعمیل انسانی زندگی میں نہایت سبق آموز ہے۔ اور جو کیرکٹر کو پختہ اور کوششوں کے کامیاب کرنے میں بہت مدد دیتی ہیں + جب ایک شخص اپنے آپ کو محض تاریکی میں یا بالکل بے بس پائے۔ تو اوسان گنوانا نہیں چاہئے۔ بلکہ لازم ہے۔ کہ اپنے حواس بجا رکھے۔ گھبرائے نہیں۔ اور استقلال سے سوچے۔ کہ اس مصیبت پر فتح پانے کو کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ اول منزل یعنی لکھا پر فتح پانا اور اس دیو سے اپنا مقصد نکالنا جو اس کی جان کی ذرا پروا نہ کرتا تھا۔ حکمت عملی سے کام نکالنے کا بہترین سبق ہے +

ان سب باتوں پر نظر رکھ کر اُمید کی جاتی ہے۔ کہ اس اشاعت کا خلوص دلی سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ اور اس سے وہ فائدہ عام اُردو دانوں اور خصوصاً طلباء کو پہنچنے کا موقع ملے گا۔ جو اُردو پڑھتے ہیں +

اس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ کہ اصل کتاب میں جو باتیں اعتراض کے قابل تھیں۔ وہ نکال دی گئی ہیں۔

اخیر میں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قصہ یوں تو ایک قسم کا "ونڈر لینڈ" ہے ہی۔ لیکن اس کی تہ میں تاریخی حقیقت موجود ہے۔ جس کی تشریح مولوی سید احمد صاحب مرحوم نے اپنی بیش بہا تالیف فرہنگ آصفیہ میں دے دی ہے۔ عرصہ ہوا راقم نے اس کی تصدیق فرہنگ کی اشاعت سے پہلے ہوشنگ آباد اور امر کنٹک کے سرکاری دفتر سے کی تھی۔ صوبجات متوسط یعنی جبل پور وغیرہ میں ایک خودرو پودا ہے۔ جو اکثر پانی کے کنارے اُگتا ہے۔ اس کے پھول کا عرق آنکھوں میں ڈالنے سے کئی بیماریاں آشوب وغیرہ دور ہو جاتی ہیں۔ اس کا نام بکاولی ہے۔

لاہور
۲۱ مارچ ۱۹۲۷ء

برجموہن دتاتریہ کیفی

حمد

الٰہی کر سخن کو میرے وہ گل - کہ جس پر مرغِ دل ہر شب کا بلبل +

حمد و ثنا کا گلستانِ ہمیشہ بہار باغبانِ حقیقی کو سزاوار ہے۔ کہ اُس کے باغِ لطف سے اس طرفہ بوستانِ جہاں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت بے اندازہ پائی + پھولوں کی بہاریں اور زیبا عروسوں کے نقش و نگاریں اُسی کے نور کی تجلی سمائی خامۂ خشک مغز کا کیا مقدور۔ اور کتنی طاقت۔ کہ اُس کی حمد و ثنا تحریر کر سکے۔ اور جو حق لکھنے کا ہے لکھ سکے + ؎

ہر اک پتے سے گُل کی بُو عیاں کی - وہی علت ہے بلبل کے فغاں کی +
جو مُنہ ہے بند غنچے کا چمن میں - اُسی کا نام لیتا ہے دہن میں +
اُسی کے حکم نے شیرازہ بندی - کتابِ عارضِ محبوب میں کی +
جو عکس روئے لیلےٰ گُل میں آیا - تو موئے قیس کو سنبل بنایا +
جو ابرِ رحمتِ غفّار برسے - گناہوں کو ہمارے دم میں دھوئے +

طراوت پائے اپنی کشتِ اُمید - ہری ہو جائے اپنی کشتِ اُمید +
اگر دل قہر پر آجائے اُس کا - سوائے ظلِ احمد پھر نہیں جا +

نعت سرورِ کائنات

ہزار ہزار درود و سلام اُس والا حسب عالی نسب پر ہے - جو باعث بنائے زمین و آسمان اور سبب ایجادِ کون و مکاں ہوا - اُس کے براق کے سُم کا نقش مہر و ماہ کی پیشانی پر درست بیٹھا - اُس کے مجموعۂ امکان سے جہان ہے ایک کتاب - اور اُس کتاب سے ہستی ہے ایک باب - صفحۂ خاک کو جو دلچسپ دیکھا - تو بیت افلاک میں نہ رہا - اُس مطلعِ نور اور مقطعِ ظہور نے عناصر کی رباعی اختیار کی ؎

اس مرحلے کا نہیں ہے پایاں - کہہ اب تو ثنائے شاہِ مرداں +

حضرت علی مرتضےٰ علیہ السّلام کی منقبت

جب صبح کو آفتاب نے قلمِ شعاعی سے ورقِ عالم پر آیت نور لکھ کر صفحۂ جہان کو روشن کیا - میں نے چاہا - کہ دریائے سخن میں غوطہ لگا کے لولوئے آبدار جو سخن کے جوہریوں کو منظور ہوں نکالوں + جس طرف غور و تامّل سے نگاہ کی - ڈھیر کے ڈھیر نظر آئے - سوچا - کہ ان کو کس پر نثار کروں ؟ اس تردد و فکر میں تھا - کہ یکایک یہ مژدہ میرے کان میں پہنچا - کہ اے غریقِ دریائے فکر ! یہ جواہر درخشاں دوسرے کے لائق نہیں - حضرت علیؓ کے قدموں پر نثار کر - یعنی اُس کی مدح میں زبان کھول - وہ شہنشاہ - کہ جس کے چہرے کے عکس سے ماہ کے رُخ پر صفائی آئی - اور خورشید کے آئینے نے جلائے وا فرپائی - اگر ساتوں آسمان کے میدان میں گھوڑا دوڑائے تو ستاروں کے لشکر میں فتور پڑ جائے + اے شہنشاہ تیری درگاہ میں میری یہی

عرض ہے۔ کہ دار و گیر قیامت میں مجھ کو با روئے سپید اپنے غلاموں کی صف میں رکھنا۔ اس کے سوا اور کیا عرض کروں۔ کہ بندے کو زیادہ عرض کرنی اپنے مولا کی جناب میں کمال گستاخی ہے +

وجہ تصنیف کتاب

ناظرین پر روشن ہو۔ کہ شیخ عزّت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی + اس کتاب کے ترجمے کا یہ سبب ہے۔ کہ مستمند نہال چند لاہوری کو۔ کہ اس نحیف کا مولد شاہ جہان آباد ہے۔ اشرف البلاد کلکتہ میں۔ کہ بالفعل ہندوستان کا دارالامارۃ ہے۔ آب و خورش کھینچ کر لایا۔ اور یہ خاکسار کپتان دلورٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا۔ اُن کی دستگیری سے صاحب خداوندِ نعمت۔ حاتمِ زماں۔ دستگیر درماندگاں۔ منبع الجود والاحسان۔ سرچشمۂ فیض و سخا۔ دریائے عنایت و کرامت۔ بحرِ احسان و شجاعت۔ صاحب گلکرسٹ بہادر مدظلہٗ کے دامنِ دولت تک دسترس پایا +

ثنا میں اُس کی بجا ہے اگر صغیر و کبیر۔ ہزار صفحۂ کاغذ سدا کریں تحریر +
وہی ہے باغِ فصاحت کا نخلِ عالم میں۔ گلِ سخن سے اُسی کے شگفتہ دل ہے ہیر +
وہی ہے گوہرِ بحرِ سخا و کانِ عطا۔ نہیں ہے اُس کا جہاں میں کوئی عدیل و نظیر +
چراغِ عقل سے شمعِ مراد روشن ہے۔ وہ رات کو مہِ انور۔ ہے دن کو مہرِ منیر +
سجا ہے قامتِ موزوں پہ خلعتِ اخلاق۔ خدا نے اپنی عنایت سے اُس کو دی توقیر +
ہر ایک خدمتِ عالی سے فیض پاتا ہے۔ گواہ دل سے ہے اس بات پر امیر فقیر +
لیاقت اتنی کہاں خاکسار کو اُس کے۔ کہ اُس کی بخششِ ہمّت کی کر سکے تقریر +
مگر خدا سے دعا مانگتا ہے یہ دن رات۔ سپہر میں رہے جب تک ضیائے مہرِ منیر +

سلامت اُس کو رکھے احتشام و دولت سے ۔ عدو کو اُس کے کرے دہر میں ذلیل و حقیر ٭

غرض کہ صاحب بہادر کے تفضلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی۔ اور اُمید زیادہ تر ہونے لگی ۔ کہ اگر بخت مددگار ہے۔ اور یہ دامنِ دولت اپنے ہاتھ ہے۔ تو حشمت قدم کے ساتھ ہے پھر ایک روز خداوند نعمت نے ارشاد کیا۔ کہ تاج الملوک اور بکاولی کا قصہ فارسی میں ہے۔ ہندی ریختی کے محاورے میں ترجمہ کر۔ کہ تیری سرخ روئی اور یادگاری کا موجب۔ اور ہماری خوشنودی کا سبب ہو ٭ چنانچہ اس نحیف نے حسب الارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلے کے موافق فلاطوں فطنت والاشکوہ۔ عالی حشمت۔ فلک اشتباہ۔ مارکویس ویلزلی نواب گورنر جنرل دام اقبالہ کے عہد میں ہندی میں ترجمہ کیا۔ اور نام اس کا مذہب عشق رکھا۔ ہر ایک سخن رس اور نکتہ داں صبح نفس سے یہ اُمید ہے۔ کہ جہاں کہیں میدانِ عبارت میں نشیب و فراز دیکھیں۔ وہاں اصلاح کے قلم سے ہموار کر دیں۔ اور اس ہیچمداں کو اپنی نوازش سے ممنون فرمائیں ٭

آغاز داستان

کہتے ہیں۔ کہ پورب کے شہروں میں کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام۔ جمال اُس کا جیسے ماہِ منیر۔ عدل و انصاف و شجاعت میں بے نظیر۔ اُس کے چار بیٹے تھے۔ ہر ایک علم و فضل میں علامہ زماں۔ اور جواں مردی میں رستم دوراں + خدا کی قدرت کاملہ سے ایک اور بیٹا آفتاب کی طرح جہان کا روشن کرنے والا۔ اور چودھویں رات کے چاند کی طرح دُنیا کے اندھیرے کا دُور کرنے والا پیدا ہوا

ع

قمر اُس کی جبیں سے داغ کھائے ۔ مہ نو ہیشِ ابرو سر جھکائے +
اگر چینِ جبیں اُس کی بنائے ۔ مصوّر چین کا چیں بول جائے +
بلا انگیز آنکھیں جادو آمیز ۔ مئے گل رنگ سے دو جام لبریز +
کبھی دیکھی تھی اُس گل رو کی کاکل ۔ پریشاں آج تک ہے حالِ سنبل +
جہاں مجروح ہو تیغ نظر سے ۔ پلک کے پار ہوں خنجر جگر سے +
وہ مکھڑا مہر گر دیکھے تو تھرّائے ۔ قمر کے چہرے کا بھی رنگ اُڑ جائے +
عجب انداز کا تِل گال پر تھا ۔ کہ گنجِ حسن پر بیٹھا تھا کالا +
وہ سینہ تختۂ بلور سا صاف ۔ یہ کیا کہتا ہوں ہے ہیرا تھا شفّاف +
ریاضِ حسن کا سروِ سرافراز ۔ غرض وہ تھا سراپا مایۂ ناز +

بادشاہ نے باغ باغ ہوکر بڑا جشن کیا۔ اور نجومیوں کو بلا کر فرمایا۔ کہ اس کی لگن دیکھو + ہر ایک نے لگن کُنڈلی کھینچ کر اس کا نام تاج الملوک رکھ دیا۔ اور اور کچھ اُنگلیوں پر گن گنا کر عرض کی۔ کہ باغِ عالم میں گل تازہ ہے۔ اس کے

نصیبوں میں دولتِ دُنیوی بے اندازہ ہے + صاحبِ ہمّت اس طرح کا اب تک نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ یقین ہے۔ کہ ایسا شہریار ہو۔ کہ عالم جنّات بھی مطیع اور فرماں بردار ہو + مگر ایک قباحت بھی اس کے ساتھ ہے۔ جب بادشاہ کی نظر اُس پر پڑے۔ تو فوراً بادشاہ کی آنکھوں سے بینائی جاتی رہے +

بادشاہ نے کچھ شاد کچھ ناشاد ہوکر اُن کو تو رخصت کیا۔ اور وزیر سے فرمایا۔ کہ ایک محل میں بتفاوت تمام ہماری گزرگاہ سے اُس کی ماں سمیت رکھو + چنانچہ بموجب ارشاد کے وزیر عمل میں لایا +

چند سال کے بعد وہ نونہال۔ باغِ سلطنت کا کنول۔ ناز و نعمت سے پرورش پاکر ہوائے علم و ہنر سے سرسبز ہوا + ایک روز اُس کو شکار کی خواہش ہوئی۔ سوار ہوکر جنگل میں گیا۔ اور ایک شکار کے پیچھے گھوڑا اُٹھایا + سچ ہے کہ ہونے والی بات بے ہوئے نہیں رہتی۔ ع تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں ہے دھونا + اتفاقاً بادشاہ بھی اُسی دن شکار کو سوار ہوئے تھے۔ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے اسی طرف کو آنکلے۔ مشہور ہے۔ کہ کانے چوٹ کنوڈے بھیٹ۔ جوں ہی شہزادے پر نگاہ پڑی۔ وہیں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی +

ارکانِ دولت نے شہزادے کو دیکھ کر بادشاہ کے نابینا ہونے کا سبب دریافت کیا + حضرت نے فرمایا۔ کہ لازم یوں تھا۔ کہ بیٹے کو دیکھ کر باپ کی آنکھیں روشن ہوں۔ سو یہ طرفہ ماجرا ہے۔ کہ برعکس ظہور میں آیا + بس اب یہ بہتر ہے۔ کہ اس کو میرے ممالک محروسہ سے نکال دو۔ اور اس کی ماں کے واسطے خدمت جاروب کشی کی مقرر کرو +

یہ فرما کے بادشاہ اُلٹے پاؤں تخت گاہ کی طرف پھر آیا۔ اور اُسے دیس سے نکال دیا +

کہتے ہیں جب بڑے بڑے حکیم مسیحا خصلت اور بوعلی طبیعت آنکھوں کے علاج کے لیئے بلائے۔ سب نے متفق ہو کر عرض کی۔ کہ گلِ بکاؤلی کے سوا کسی اور دارو سے ممکن نہیں۔ کہ بادشاہ شفا پائے۔ اگر کسی صورت سے گلِ بکاؤلی پیدا ہو۔ تو حضرت کیا بلکہ اندھا مادر زاد بھی آنکھیں پائے + یہ سُن کر بادشاہ نے اپنے تمام ملک میں منادی پھرادی۔ کہ جو گلِ بکاؤلی پیدا کرے۔ یا اُس کی خبر لائے۔ تو اُس کو بہت انعام واکرام دے کر نہال کروں +

اس طرح بادشاہ نے ایک مدت تک اُس کے انتظار میں رو رو کر حضرت یعقوبؑ کی طرح اپنی آنکھوں کو سفید کیا۔ اور اس غم میں مانند حضرت ایوبؑ کے آپ کو گھلا دیا۔ ہر چند۔ کہ خونِ جگر پیا۔ لیکن کسی طرف سے کچھ اُس کا سُراغ نہ ملا +

ایک روز چاروں بیٹوں نے بادشاہ کی خدمت میں دست بستہ عرض کی۔ کہ سعادت مند وہی لڑکا ہے۔ کہ جو ماں باپ کی خدمت بجا لائے۔ اور اگر سعی و کوشش میں جان دے۔ تو وہ سعادت دارین پائے + اس واسطے ہم اُمید وار ہیں۔ کہ ہمیں رخصت فرمایئے۔ تو گلِ بکاؤلی کی تلاش میں نکلیں + بادشاہ نے فرمایا۔ کہ ایک تو آگے ہی میں اپنی آنکھیں کھو بیٹھا ہوں۔ نورِ چشم کو رو بیٹھا ہوں۔ وہ داغ اب تک جگر سے نہیں گیا۔ جو چشم چراغ ہیں۔ اُن کو بر باد کس طرح ہونے دوں؟ یہ صدمہ دیدہ و دانستہ دل پر لوں +

شہزادوں نے پھر مکرر عرض کی۔ تب چار و ناچار بادشاہ نے رخصت دی۔ اور وزیروں سے فرمایا۔ کہ اسباب سفر کا جو چاہیئے۔ وہ مہیا کرو + چنانچہ انہوں نے بموجب حکم کے نقد و جنس و دواب و خیمہ و لشکر سے لے کر جتنا کہ چاہیئے تھا۔ موجود کر دیا + تب بادشاہ سے رخصت ہو کر شاہزادوں نے اپنا رستہ لیا +

شہزادے منزل بہ منزل جاتے تھے۔ اتفاقاً تاج الملوک۔ کہ جس کو باپ نے

شہر بدر کیا تھا۔ دشت آوارگی کو قدم پریشانی سے ناپتے ناپتے ان سے دوچار ہوا۔ اور کسی سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہیں۔ اور کہاں جاتے ہیں؟ اُس نے بادشاہ کے اندھے ہونے کا۔ اور سبب ان کے سفر کا گلِ بکاؤلی کی تلاش کے واسطے۔ تاج الملوک سے بیان کیا +

شہزادے نے دل میں کہا۔ کہ اُٹھ بخت کو تو بھی اب آزما + مصلحت نیک تو یہ ہے۔ کہ میں بھی بھائیوں کے ہمراہ گلِ بکاؤلی کی جستجو کروں۔ اور اپنے زرِ قسمت کو محکِ امتحان پر کسوں + اس میں اگر دامن کو گلِ مراد سے بھروں۔ تو فہو المراد نہیں تو اس وسیلے سے باپ کے ملک سے باہر نکلوں +

یہ دل میں ٹھان کر ایک سردار کے پاس کہ نام اُس کا سعید تھا۔ گیا۔ اور باادب تمام سلام کیا + اُس کی نظر جو شاہزادے پر پڑی۔ تو دیکھا۔ کہ اُس کے گالوں کی چمک خورشید کی روشنی کے ساتھ برابری کر رہی ہے۔ اور چاند سی پیشانی زُلفِ شب رنگ کے پہلو میں ماہ تمام کی طرح جلوہ گری کر رہی ہے + پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آنا ہوا؟ تاج الملوک نے عرض کیا۔ کہ میں بے چارہ غریب مسافر ہوں۔ اور بے کس آشفتہ خاطر ہوں + نہ کوئی غم خوار ہے۔ کہ غم خواری کرے۔ نہ یار ہے۔ کہ شرطِ یاری بجا لائے۔ نہ کوئی مددگار ہے۔ کہ مددگاری کرے +

سعید نے اُس یوسفِ ثانی کی شیریں زبانی سے محظوظ ہو کر بصد آرزو و خواہش رکھا۔ اور ہر روز الطاف زیادہ کرتا +

دلبر بیسوا

کہتے ہیں۔ کہ شہزادے ایک مدت کے بعد شہر فردوس میں۔ کہ تخت نشین وہاں کا رضوان شاہ تھا۔ پہنچے۔ اور شام کے وقت دریا کے کنارے اس ارادے سے

کہ چند روز یہاں ٹھہریں۔ خیمے ایستادہ کئے + جب مسافر آفتاب ملکِ مغرب کی سیر کو گرم رفتار ہوا۔ اور سیاح ماہتاب رات کے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر مشرق کی طرف سے باگ اُٹھا کر چلا۔ تب چاروں شاہزادے اپنے اپنے سمند باد رفتار پر سوار ہو کر بطریق سیر شہر میں آئے۔ اور ادھر اُدھر گشت کرنے لگے + اس میں ایک محل منقش اور مکلف کہ جس کے جابجا دروازوں پر زردوزی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ نظر آیا + وہاں کے باشندوں میں سے ایک سے پوچھا۔ کہ یہ مکان عالی شان کس کا ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ کہ اس کی مالک دلبر لکھا بیسوا ہے + شہزادوں نے کہا۔ اللہ اکبر یہ محل بادشاہی اس نے کہاں سے پایا؟ وہ شخص پھر کہنے لگا۔ کہ یہ رنڈی اس زمانے میں یکتا ہے۔ اور ملاحت میں بے ہمتا ہے + شہرۂ آفاق۔ اپنے کام میں طاق۔ رعنائی اور زیبائی میں نہایت دل جو۔ خوبی اور دل رُبائی میں بغایت خوب رو۔ چشمِ خورشید مدام اُس کے شمعِ جمال پر پروانے کی طرح شیدا۔ اور چہرۂ ماہتاب دوام اُس کے مکھڑے پر فدا +

کسی نے راہ میں اُس کی اگر قدم مارا — تو اپنی عقل کی فہرست پر قلم مارا +

اُسی نے بیچ دیا ناموس و ننگ کو اپنے — کہ جس نے ذرہ بھی خواہش میں اُس کی دم مارا +

ایک نقارہ مع چوب اُس نے اپنے دروازے پر رکھا ہے۔ جو کوئی اُسے جا کر بجائے۔ وہ عیار زر ملنے کی فکر میں اُسے بلائے +

شہزادے کہ اپنے مال و دولت پر مغرور تھے۔ نشۂ بادۂ نخوت سے چور تھے۔ نشانِ ہمت اُس کے میدانِ شوقِ ملاقات میں بلند کر کے دروازے پر گئے۔ اور جاتے ہی بے تحاشا نقارہ بجا دیا + سُنتے ہی اُس مکارۂ دوراں نے دل میں کہا۔ کہ الحمد للہ مدت مدید کے بعد کسی ایسے نیک بخت نے میرے گھر کا قصد کیا۔ چاہئے۔ کہ میرے حجرے کو روشن کرے۔ اور ایسے موٹے تازے شکار نے میرے

جال میں آنے کا ارادہ کیا۔ اغلب ہے۔ کہ دام میں پھنسے۔ پھڑک پھڑک کر مرے ✤

نقل مشہور ہے۔ کہ یہ طائفہ اسی تردّد میں رہتا ہے۔ کہ کوئی عقل کا اندھا گانٹھ کا پورا ملے۔ سو خدا نے ویسے ہی شخص بھیج دئے + جھٹ پٹ بناؤ سنگھار کر کے زیور مرصع لعل موتی ہیرا زمرد جا بجا پہن کر بڑی آن بان سے بن ٹھن کر بیٹھی۔ اس میں یہ بھی آ پہنچے۔ چند قدم استقبال کر کے ہر ایک کو سونے کی کرسی پر بٹھایا + اتنے میں کچھ رات گئی۔ کہ ساقیان گلعذار شیشۂ شراب اور ساغر زرنگار لئے حضور میں آئے۔ اور جام کو گردش میں لائے + اسی طرح آدھی رات گئی۔ تب اُس عیار نے کہا۔ کہ اگر اجازت ہو تو تختۂ نرد منگواؤں۔ باقی رات اس شغل میں بسر ہو۔ کہ سحر ہو + شاہزادوں نے کہا منگواؤ۔ اس سے کیا بہتر ✤

مکارہ نے ایک بلّی کے سر پر چراغ رکھا۔ اور روپیہ کی بازی بد کر کھیلنے لگی + لکھنے والے نے یوں لکھا ہے۔ کہ شاہزادوں نے اُس آدھی رات کے عرصے میں پچاس لاکھ روپے ہارے + اس میں خورشید جہاں گرد زمردی تختے پر نمودار ہوا۔ اور سیمیں چہرہ ماہ اپنے گھر گیا + اس نکہائی نے بھی بساط بازی لپیٹی۔ شہزادے اپنے مکانوں کو گئے ✤

دوسرے روز جب آفتاب سیّاحوں کی طرح مغرب کی منزل میں پہنچا۔ اور ماہتاب بادشاہوں کی صورت سپاہ انجم کو لئے تخت فیروزہ رنگ پر رونق بخش ہوا۔ شہزادے اُسی آن بان سے اُس کے مکان میں آئے۔ اور بدستور سونے کی چوکیوں پر اجلاس فرمایا + حور لقا رنڈیاں خدمت میں آ کر حاضر ہوئیں۔ اور طرح طرح کا کھانا سونے چاندی کے خوانوں میں لا کر دسترخوانوں میں چن دیا + بعد تناول طعام تختۂ نرد منگوا کر دس لاکھ روپے کی بازی بد کر کھیلنے

لگے + غرض اُس رات کو سب مال و متاع۔ نقد و جنس۔ ہاتھی گھوڑے۔ اونٹ وغیرہ جس قدر کہ رکھتے تھے۔ ہار گئے۔ تب اُس مکارہ نے بازی سے ہاتھ کھینچ کر کہا۔ اے جوانو تمہارا سرمایہ آخر ہوچکا۔ اب بساط بازی لپیٹو اپنے گھر کی راہ لو +

شاہزادوں نے کہا۔ کہ اب کی بار ہم زرِ طالع کو ترازوئے امتحان میں تولیں۔ اگر ہمارے بخت کا پلہ جھکے۔ تو اپنی ہاری ہوئی سب نقد و جنس کہ گرہ میں تو نے باندھی ہے کھول لیں۔ نہیں تو ہم چاروں تیری فرمانبرداری میں غلام ہوکر رہیں۔ کچھ نہ بولیں +

جب یہ قول و قرار ٹھہرا۔ تب اُس اُچھال چھکا نے طرفۃ العین میں وہ بھی بازی جیت لی۔ اور بہت اسباب نقد و جنس اُن کا اپنی سرکار میں داخل کیا۔ اُن کو قیدیوں کے سلسلے میں کہ ویسے سیکڑوں تھے بھیج دیا۔ اور سپاہ اور رفیق اُن کے گُل خزاں دیدہ کے پتوں کی طرح درہم برہم ہو گئے +

تاج الملوک کی حکمت

تاج الملوک نے دل سے مصلحت کی۔ کہ اب کچھ ایسی حکمت کیا چاہئے۔ جو اُن کی خلاصی کا سبب ہو۔ مجھ سے جو یہ کام نمایاں ہو۔ تو دُنیا میں نام ہو۔ آخرت میں اجر فراواں ہو + یہ دل میں سوچ کر شہر میں آ ایک امیر کے دردولت پر جاکر دربانوں سے کہا۔ مسافر ہوں بے خانماں کسی امیر کو ڈھونڈھتا ہوں۔ تمہارے صاحب کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سُن کر آیا ہوں۔ اگر بندے کو اپنی بندگی میں لیں اور بندہ نوازی فرمائیں۔ بدل و جان خدمت بجالاؤں +

اُن میں سے ایک نے جاکر امیر کی خدمت میں شہزادے کی کیفیت

عرض کی۔ فرمایا اُسے حاضر کرو + وہ لے گیا۔ امیر نے اُس کے مُنہ کو دیکھ کر کہا۔ یاالٰہی کیا آفتاب چوتھے آسمان سے انسان کے قالب میں آیا۔ یا کوئی غلمان بہشتِ بریں سے! ؎

پیشانیٔ نازنیں پہ اُس کی ۔ چمکے گا ستارۂ بلندی +

غرض کہ امیر نے اُس کو اپنی خدمت میں سرفراز کیا + جب تاج الملوک کو امیر کی خدمت میں کئی مہینے گزرے۔ اور اُس نے اپنی وجہ مقرر سے کچھ روپے جمع کئے ایک روز اُس کی خدمت میں عرض کی۔ کہ ایک فدوی کے آشناؤں میں سے اس شہر میں تازہ وارد ہے۔ اگر حکم ہو تو روز چار گھڑی کے واسطے اُس کے پاس جایا کروں۔ دل بہلایا کروں + امیر نے کہا۔ بہتر +

پس شاہزادہ ہر روز تختۂ نرد کھیلنے والوں کے پاس جا بیٹھتا۔ اور کھیلتا + جب اُس کے قانون دریافت کر لئے۔ اور ہر ایک سے بازی ہاتھ آنے لگی۔ یہ تجویز کیا۔ اب اُس عیاری سے کھیلئے۔ اور اپنے طالع کے قرعے کو تختۂ امتحان پر پھینک کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے۔ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے +

پھر تو ایک روز شہزادہ اُس کے دروازے پر گیا۔ دیکھا۔ کہ ایک بڑھیا اندر سے باہر آتی ہے۔ کسی سے پوچھا یہ کون ہے۔ اُس نے کہا یہاں کی یہی مدار المہام ہے۔ بے مشورے اس کے وہ کچھ کام نہیں کرتی ہے + تاج الملوک نے دل سے کہا۔ اب کچھ مکر پھیلایا چاہئے۔ دامِ محبت میں اس کو لایا چاہئے۔ اس کے ہاتھ میرا کام نکلے تو نکلے +

اُس دن تو شہزادہ چلا آیا۔ پھر وہی بڑھیا اُس کو دکھائی دی۔ سلام کیا۔ اور پانوؤں پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ بڑھیا نے پوچھا تو کون ہے اور کہاں آیا؟ مگر دیوانہ ہے یا مظلوم کہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے +

شہزادے نے کہا

کیا مجھ سے پوچھتے ہو میں ہوں کمال مضطر ۔ دُنیا میں کوئی مجھ سا ڈھونڈھو تو پاؤ کمتر +
آتش سے غم کی میرا سینہ جلا بھُنا ہے ۔ دو دن کی زندگانی مجھ پر عجب بلا ہے +
گردش سے آسماں کی کیا کیا ستم ہے مجھ پر ۔ سایہ بغیر اپنا ساتھی نہیں نہ رہبر +

اے اما مسافر ہوں بے سر و پا۔ اس شہر بے گانے میں نہ کوئی یار نہ آشنا بجز باری تعالےٰ کی ذات کے نہ اپنا کوئی پشت پناہ نہ کسی کا آسرا + پورب دیس میں میرا وطن ہے۔ ایک میری دادی تھی۔ وہ بھی قضائے الٰہی سے کئی برس ہوئے۔ کہ اس عالمِ فنا سے ملکِ بقا کو کوچ کر گئی + اس کے تمام آثار تجھ میں پائے۔ اس واسطے بصد آرزو تیری پابوسی کی۔ اگر میرے حالِ زار کو الطاف کی نظر سے تو دیکھے۔ اور اس عاجز کی غریبی اور بے کسی پر رحم فرمائے۔ تو میں تیرا ہو کر رہوں۔ اور دادی کی جگہ تجھ کو تصور کروں +

نظر سے اپنی جو کرتے ہیں خاک کو اکسیر ۔ کبھی تو گوشۂ چشم اس طرف کریں للہ +

ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں۔ کہ اس پیر زال کا دل پسل گیا۔ بلکہ شعلۂ آواز سے موم کی طرح پگھل گیا۔ بولی۔ اے جوان میرا بھی اس جہان میں اپنا کوئی نہیں رہا۔ آج سے میں تیری دادی تو میرا پوتا + پھر تاج الملوک نے کہا۔ دادی صاحب کئی روز سے میں ایک جگہ نوکر ہوں۔ اُس کی فرمانبرداری لازمی ہے۔ ہر روز تمہاری قدم بوسی کے واسطے نہ پہنچ سکوں گا۔ مگر کبھی کبھی + بڑھیا نے کہا۔ بیٹا کیا مضائقہ ہے + اگرچہ شاہزادے نے ہر روز کے آنے کا عذر کیا۔ لیکن اُس غم خوار کے گھر روز جاتا۔ اور چاپلوسی اور تملق کی باتیں بناتا + آخرش رفتہ رفتہ اُس کا محرمِ راز ہوا + اسی طرح سے کچھ روز گزرے۔ ایک دن شہزادہ کچھ روپے اُس کے پاس لے گیا۔ اور کہا۔ دادی صاحب۔ یہ روپے رکھ چھوڑو۔ اگر کسی کام میں درکار ہوں

تو خرچ کرو + وہ بولی۔ بیٹا میں تیرے روپے لے کر کیا کروں گی۔ خدا کا دیا میرے گھر سب کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر تجھے کسی کام کے لئے درکار ہو۔ تو یہ نقد وجنس تیرا ہے۔ بے وسواس اپنے تصرف میں لا + ع

کھانے کے لئے یہ زر ہے اے نورِ بصر۔ رکھنے کے لئے تو سنگ وزر یکساں ہے +

غرض شاہزادے نے جب اُس کو اپنے حال پر مہربان پایا۔ ایک روز ادھر اُدھر کا تذکرہ کر کے کہنے لگا۔ کہ اے دادی صاحب تم کو کچھ معلوم ہے۔ کہ جو کوئی اس عیارنی کے ساتھ تختۂ نرد کھیلتا ہے۔ اُس سے بازی نہیں پاتا؟ اُس نے جواب دیا۔ بیٹا! یہ راز بہت نازک ہے۔ خبردار ہرگز کسی سے نہ کہیو۔ کہ یہ بات طشت ازبام اُفتادہ ہو۔ اور اس کی بھنک اُس خام پارہ کے کان میں پڑے۔ جو میرے زوال کا باعث ہو + شاہزادے نے کہا۔ استغفراللہ۔ یہ کیا بات ہے +

بڑھیا بولی۔ کہ اُس نے ایک بلّی اور چوہے کو پرورش کر کے یہ سکھایا ہے۔ کہ بلّی کے سر پر چراغ رکھے تو وہ لئے رہے۔ اور چوہا چراغ کے سائے میں بیٹھا رہے جب اُس کے خاطرخواہ پانسا نہ پڑے۔ تب بلّی چراغ کو ہلا کر کے نردوں پر سایہ کرے۔ اور چوہا پانسہ اُس کے حسب دلخواہ اُلٹ دے + پس جو کوئی اُس سے کھیلنے آتا ہے۔ وہ بے چارہ بازی ہار جاتا ہے۔ اور یہ بلّی چوہے کی مدد سے بازی جیت لیتی ہے + لیکن کسی کھلاڑی پر یہ بھید آج تک نہیں کھلا۔ اور جو کوئی اس ارادے پر آیا۔ اُس نے داغ ندامت کا اپنی پیشانی پر کھایا +

تاج الملوک جب یہ بات دریافت کر چکا۔ بازار میں گیا۔ اور نیولے کا بچہ مول لے کر اُسے آستین میں رکھ کر یہ سکھانے لگا۔ کہ جوں ہیں وہ چٹکی کی آواز پائے وہیں بجلی پلنگ کی طرح آستین سے کود کر باہر آئے + جب اس طرح سیکھ سکھا کر وہ طاق ہوا۔ تب ایک روز شہزادے نے بڑھیا سے یہ مکر پھیلایا۔ کہ میں اب اس نوکری سے

اُداس ہوں۔ اگر تو ہزار روپے سے میری مدد کرے۔ تو تجارت کروں + بڑھیا
نے کوٹھری میں لے جاکر کہا۔ کہ دیکھ بیٹا یہ سب روپے حاضر ہیں۔ جتنا جی چاہے
اُتنا لے لے +

تب شاہزادہ ہزار روپے اُس سے لے کر امیر کی خدمت میں
گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ میرے آشناؤں میں سے ایک شخص کا آج بیاہ ہے۔ اگر سرکار
سے ایک خلعت فدوی کو مرحمت ہو۔ تو اُس مجلس میں جائے۔ ہم چشموں میں عزّت
پائے + امیر نے اپنا ملبوس خاص شاہزادے کو عنایت کیا۔ اور فرمایا گھوڑوں
میں سے بھی جو تیری پسند ہو لے جا + تب تاج الملوک حضور کے خاصے پر سوار ہو کر
اُس بیسوا کے دروازے پر گیا۔ اور گھوڑے سے اُتر کر بیباکانہ قدم اندر رکھا +

نرد کی بازی

اس نے باعزاز تمام جڑاؤ کرسی پر بٹھایا۔ اور آپ ہٹ کر پیچھے بیٹھی + اس میں
شاطرِ فلک کج باز نے آفتاب کی سُنہری نرد کو مغرب کے گھر میں چھپایا۔ اور فرقدان
کی روپہلی گوٹوں کو تختِ طلوع پر بٹھایا + شاہزادے نے کہا۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ
تجھ کو تختۂ نرد کھیلنے سے بڑا شوق ہے۔ آ۔ ایک بازی کھیلیں + اُس مکر ہائی نے پہلے
تو انکار کیا۔ آخر ش شہزادے کے کہنے سے تختۂ نرد منگوا کر بدستور قدیم بلّی کے سر پر
چراغ رکھا۔ اور لاکھ روپے کی بازی بدکر پانسا پھینک دیا +

پہلی بازی تو شاہزادے نے جان بوجھ کے ہار دی۔ اور اس نے بلّی چوہے
کی مدد سے جیت لی + پھر دوسری بازی رکھ کر کھیلنے بیٹھے۔ جو ایک پانسا اُس کے
خاطر خواہ نہ پڑا۔ وہیں بلّی نے سر ہلایا۔ چوہے نے چاہا۔ کہ پانسے کو اُلٹ دے
تاج الملوک نے چٹکی بجائی۔ نیولا بچۂ پلنگ کی طرح جست کر کے آستین سے باہر نکلا +

چوہا تو اُس کی صورت دیکھتے ہی کافور ہو گیا۔ اور بلّی پر بھی وحشت غالب ہوئی چراغ سر سے پھینک ہوا ہوئی + شاہزادے نے برہم ہو کر کہا۔ کہ اے عیارنی تونے یہ کیا بھگل نکالا ہے؟ باوجودیکہ تیرے گھر کو ہر شب چراغ تک ہیں۔ ایک شمع دان بھی نہیں رکھتی + وہ اس گفتگو سے نہایت خجل ہوئی۔ غیرت سے پسینے پسینے ہوئی۔ اُسی وقت جڑاؤ شمعدان منگوا کر رکھا۔ اور دونوں پھر اُسی کام میں مشغول ہوئے + کہنے والے نے یوں کہا ہے۔ کہ شاہزادے نے اُس رات میں سات کروڑ روپے جیتے +

اتنے میں صبح صادق ہوئی۔ تاج الملوک نے کہا۔ کہ اب حضرت جہاں پناہ کے ناشتے کا وقت عنقریب آپہنچا ہے۔ اگر میں اس وقت حضورِ اعلےٰ میں حاضر نہ ہونگا تو موجب قباحت کا ہوگا + یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور وہ روپے شام کے وعدے پر اُس کے پاس چھوڑ کر امیر کی خدمت میں آکر حاضر ہوا +

شام کے انتظار میں تمام دن جوں توں کاٹا۔ سورج کے ڈوبتے ہی سج سجا کے ایک اپنے گھوڑے بادرفتار پر۔ کہ جس کی جلدی کے رشک سے بادِ صبا بھی ہر دم دمِ سرد بھرتی تھی۔ سوار ہو کر اُس کے گھر پر پہنچا + یہ خبر سُن کر اس نے چند قدم چار ناچار استقبال کیا۔ اور شاہزادے کو بدستور کرسی پر لا کر بٹھایا + کھانا کھانے کے بعد کروڑ روپے کی بازی بد کر کھیلنے لگے + کہتے ہیں۔ کہ اُس کھلاڑین نے آدھی رات کے عرصے میں قریب سو کروڑ کے جو اُس کے نقد خزانے میں تھے ہار دئے + تب ششدر ہو کر پیش و پنج کرنے لگی۔ آخر اثاث البیت کی نوبت پہنچی۔ وہ بھی تاج الملوک کے ہاتھوں ہاتھ لگا + پھر اُس نے کہا اب تو تیرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ اتنی رات کس شغل سے کٹے گی؟ اب پورب پچھم کے شاہزادے جو تونے قید کئے ہیں ان پر بھی ایک بازی کھیل۔ اگر تو جیتے تو لاکھ روپے دوں۔ نہیں تو اُن کو بھی لے لوں۔ اور جو چاہوں سو کروں +

اس بات پر وہ راضی ہوئی۔ پلک مارتے ہی شاہزادے نے وہ بھی بازی جیت لی + تب وہ بولی کہ اے جوان جواں بخت ایک بار اور میں اپنا نصیب آزماؤں اگرچہ یہ بازی میرے ہاتھ آئے تو اپنی سب جنس ہاری ہوئی تجھ سے پھیر لوں۔ نہیں تو تیری لونڈی ہو کر رہوں + شاہزادے کے طالع کا ستارہ آسمانِ ترقی پہ چمک رہا تھا۔ بات کی بات میں وہ بھی بازی جیت لی + تب وہ سرو قد اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ کہ اے جوان خدا کی مدد سے تو نے مجھے اپنی لونڈیوں میں ملایا۔ غرضکہ جس شکار کے واسطے روئے زمین کے بادشاہوں نے تمام عمر صرف کی۔ بخت بلند کی مدد سے اُس کو تو نے ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا + اب یہ تیرا گھر ہے۔ مجھ کو اپنے نکاح میں لا۔ اور باقی عمر دولت و حشمت کے ساتھ بسر لے جا +

تاج الملوک نے کہا۔ کہ یہ مجھ سے نہو سکے گا + مجھے ایک بڑی مہم درپیش ہے۔ اگر حق تعالےٰ کے فضل و کرم سے میں اُس پر فتح یاب ہوں گا۔ تو البتہ تو بھی کامیاب ہو گی + اب تجھے لازم ہے۔ کہ بارہ برس تک میرے انتظار میں نیک بختی کا لباس پہن کر حق تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہے +

اُس نے کہا۔ اے بوستانِ سرداری کے نونہال! اب تک تیرے گلشنِ جوانی کا شگوفہ نہیں پھولا۔ اور بہارِ شباب کے چمنوں پر صرصرِ پیری کا جھونکا بھی نہیں لگا۔ کیا لازم ہے۔ جو تو سفر کے آتش کدہ محنت میں عمداً آپ کو گرائے۔ اور آتشِ سرگردانی قصرِ شادمانی میں قصداً لگائے + مجھ کو بھی اس کیفیت سے مطلع کر کہ میں بھی تیرے ساتھ جب تک میرے قالب میں جان رہے اور وہ مہم سر نہو سعی اور تردد کروں۔ کہ اب مجھ کو تیرے بغیر یہ گھر بندی خانہ ہے۔ ؎

فصیحیؔ گھر بغیر از یار کے زندان ہے ـ ہر در و دیوار پر لکھ دیجئے اس بات کو +

جب اُس علامہ نے اس رازِ سربستہ کے کھولنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا۔

تب شاہزادے نے کہا۔ کہ سُن۔ میرا نام تاج الملوک ہے۔ اور زین الملوک شرقستان کے بادشاہ کا بیٹا ہوں + قضا کار میرے باپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حکیموں اور طبیبوں نے بالاتفاق گل بکاؤلی کے سوا اور کچھ دوا تجویز نہ کی۔ اُسی روز سے میرے چار بھائی جو چند روز سے تیری قید میں ہیں۔ گل مذکور کی تلاش کو نکلے ہیں + میں بھی خفیہ اُن کے ساتھ تھا۔ وہ تو تیرے مکر و فریب کے دام میں پھنس گئے۔ میں سیکڑوں حیلوں سے تجھ تک پہنچا۔ اور غالب ہوا + اب اُسی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ اگر گل مقصود میرے ہاتھ آیا تو آیا۔ نہیں تو اُس کے پیچھے جان لے کہ میں نے اپنی جان سے ہاتھ اُٹھایا +

اُس نے کہا۔ اے شاہزادے یہ کیا خیال باطل تیرے دل میں سمایا۔ اور اندیشۂ فاسد تیرے جی میں آیا؟ ذرّے کو کیا مجال۔ کہ آپ کو آفتاب کی منزل تک پہنچائے۔ پرندے کی کیا طاقت۔ کہ آپ کو ہمدم صبا بنائے؟ سُن۔ بکاؤلی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اُس کے باغ میں وہ گل ہے۔ اُس کی چار دیواری کو آفتاب بھی نظر اُٹھا کے نہیں دیکھ سکتا ہے + ہزاروں دیو اُس کی نگہبانی کے واسطے چاروں طرف مستعد رہتے ہیں کسی ذی روح کو طاقت نہیں۔ کہ بے اجازت اُن کے وہاں تک پہنچے۔ اور بے شمار پریاں پاسبانی کے لئے ہوا پر مقرر ہیں۔ کہ کوئی پرندہ پر نہ مارے + اُس کے سوا زمین پر سانپ بچھو لاانتہا آٹھ پہر چوکی دیتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اُس راہ سے بھی اُس کے پاس نہ پہنچ سکے۔ اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ ہزاروں چوہوں کے ساتھ رات دن خبرداری کرتا ہے۔ کہ سُرنگ کی راہ سے بھی کسی کی رسائی نہ ہو + سچ تو یہ ہے چیونٹی چاہے۔ کہ رینگتی ہوئی کسی حیلے سے اُس تک پہنچے ممکن نہیں ہے + اے شاہزادے تو اس خرابی میں زنہار گرفتار نہ ہو۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ کہ نہ ڈالو تم اپنے ہاتھ ہلاکت کی طرف۔ اور شیخ سعدی شیرازیؒ

نے بھی فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے ؎

کوئی مرتا نہیں ہے بن آئے ۔ لیک تو مُنہ میں اژدہے کے نہ جا ✣

شاہزادے نے کہا فی الحقیقت یہی بات ہے۔ مگر حق تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے خلیل اللہ پر آگ کو گلزار کر دیا تھا ✣ اگر میں عاشق ثابت قدم ہوں۔ اور میرے عشق کا جذبہ صادق ہے۔ تو البتّہ شاہ مراد کے دامن تک میرا دسترس ہوگا ✣

کیا کرسکے ہے دُشمن جو دوست مہرباں ہو ✣ تو میرے چھوٹے سے قد پہ نہ جا۔

اگرچہ بنی آدم قوت میں دیو سے کمتر ہیں لیکن فہم و فراست میں زیادہ تر ہیں ✣ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہر آئینہ بزرگی دی ہے میں نے آدم کو۔ آہ تو نے سُنا ہے یا نہیں ✣

حکایت برہمن اور شیر

کسی جنگل میں ایک روز برہمن کا گزر ہوا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک شیر موٹی رسّی سے جکڑا ہوا پنجرے میں بند ہے ✣ وہ اُس کو دیکھ کر نہایت غریبی سے گڑگڑانے لگا۔ کہ اے دیوتا۔ اگر تو میرے اس حال زار پر رحم کرے اور اس قید سے مجھ کو نجات دے۔ تو اس جاں بخشی کے عوض ایک نہ ایک دن میں بھی تیرے کام آؤں گا ✣ برہمن سادہ لوح کا دل شیر کے بلبلانے پر بھر آیا۔ مگر عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھا۔ کہ دُشمن ہے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا چاہئے ✣ بے تامّل قفس کا دروازہ کھول کر اُس کے ہاتھ پاؤں کھول دئے ✣ بند سے خلاص ہوتے ہی اُس خونخوار نے اس کوتہ اندیش کو گردن سے پکڑ کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ اور وہاں سے چل نکلا ؎

نیکی کرنی بدوں سے ایسی ہے ۔ جیسے نیکوں سے کی بدی تو نے ✣

برہمن نے کہا۔ اے شیر نر میں نے تجھ سے بھلائی کی۔ نیکی کی اُمید پر۔ اور تو

ارادہ بدی کا رکھتا ہے۔ میں نیکی سے گزرا بدی بھی نہ کر ٭

شیر بولا۔ کہ ہمارے مذہب میں نیکی کی جزا بدی ہے۔ اگر میرے کہنے کا اعتبار نہ ہو۔ تو چل کسی دوسرے سے پچھوا دوں۔ جو وہ کہے سو صحیح ٭

اس بات پر وہ گو بہ گنجائش راضی ہوا ٭ اُس جنگل میں بڑا پُرانا برگد کا درخت تھا۔ شیر اور برہمن اُس کے نیچے گئے۔ شیر نے اپنی درخواست اُس سے ظاہر کی۔ اُس نے اُس کے جواب میں کہا۔ شیر سچ کہتا ہے۔ اس وقت میں نیکی کا بدلہ بدی کے سوا اور کچھ نہیں ٭ اے برہمن سُن کہ میں بر سر راہ ایک پاؤں سے کھڑا ہوں۔ اور سب چھوٹے بڑے مسافروں پر سایہ کرتا ہوں۔ لیکن مسافر گرمی کا مارا ہوا میرے سائے میں آکر دم لیتا ہے۔ بیٹھ کر ہوا کھاتا ہے۔ وہ چلتے وقت اپنے سر پر سایہ کرنے کو میری ڈالی توڑ کر لے جاتا ہے۔ کوئی میری شاخ کی لاٹھی بناتا ہے ٭ کہہ۔ بھلائی کا عوض بُرائی ہے۔ یا نہیں ؟

شیر نے کہا۔ کہو اب دیوتا کیا کہتے ہو ؟ اُس نے کہا۔ کسی اَور سے بھی پوچھ ٭

شیر آگے بڑھا۔ سامنے سے ایک گیدڑ ٹیلے پر بیٹھا نظر آیا۔ اُس نے ارادہ بھاگنے کا کیا۔ شیر نے للکارا۔ کہ اے گیدڑ تو کچھ اندیشہ نہ کر۔ ہم ایک بات تیرے پاس پوچھنے آتے ہیں ٭ تب وہ بولا۔ کہ حضرت جو کچھ ارشاد کرنا ہے۔ دُور سے فرمایئے کہ خود بدولت کے رُعب سے اس عاجز کا طائرِ ہوش و حواس اُڑا جاتا ہے ٭

شیر نے کہا۔ کہ اس برہمن نے مجھ سے نیکی کی۔ اور میں اس سے ارادہ بدی کا رکھتا ہوں۔ تو کہہ اس مقدمے میں کیا کہتا ہے ؟ گیدڑ نے عرض کی۔ یہ بات جو آپ ارشاد کرتے ہیں۔ اس خاکسار کے خیال میں نہیں آتی ٭ آدمی کی کیا مجال۔ جو قوی ہیکل جانوروں کے شاہنشاہ سے۔ کہ جس کے روبرو انسان پشّے سے بدتر ہے۔ کچھ نیکی کر سکے ؟ مجھ کو اس بات کا ہرگز اعتماد نہیں آتا۔ جب تک کہ اپنی آنکھوں سے

نہ دیکھوں +

شیر نے کہا۔ آ ہم دکھا دیں + پھر شیر برہمن کو لیئے آگے آگے اور گیدڑ آہستہ آہستہ پیچھے روانہ ہوا۔ ایک آن میں پنجرے کے پاس تینوں آکر پہنچے۔ برہمن نے کہا اے گیدڑ! شیر اسی پنجرے میں بند تھا۔ میں نے خلاص کیا۔ کہہ تیرا کیا فتوا ہے؟

گیدڑ بولا۔ کہ اتنا بڑا شیر اس چھوٹے سے پنجرے میں کیونکر تھا! اب میرے روبرو پھر اس میں جائے اور جس طرح اس کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے۔ اسی صورت سے باندھ کے پھر تو کھولے تو میں جانوں +

شیر اندر گیا۔ اور برہمن اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا + گیدڑ نے کہا۔ اگر آگے سے اس کے باندھنے میں کچھ بھی فرق کرے گا۔ تو باللہ میں ہرگز اس بات کا جواب نہ دے سکوں گا + اس نے گیدڑ کے کہنے سے شیر کو خوب مضبوط باندھا۔ اور پنجرے کا دروازہ بند کر کے کہا۔ اے گیدڑ دیکھ اس طرح یہ گرفتار تھا۔ جو میں نے کھولا +

گیدڑ بولا پتھر پڑیں تیری عقل پر۔ اے نادان ایسے دشمن قوی سے نیکی کرنی اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنی ہے۔ تجھے کیا ضرور۔ کہ دشمن کو قید سے چھڑائے۔ جا۔ اپنی راہ لے۔ دشمن تیرا مغلوب ہوا +

اے عزیز سچ ہے۔ جو کوئی بے صبری اور فریاد اپنے نفس کی جو مثل شیر جسم کے پنجرے میں بند ہے سنے۔ اور اس کے حال پر رحم کر کے صبر و توکل کی رسی اس کے ہاتھ پاؤں سے بے محابا کھول دے۔ تو بہر صورت آپ کو اس کا لقمہ بنائے + مگر خضر رہنما کی دستگیری سے بچے تو بچے + اے بیوایہ ذکر اس واسطے میں نے کیا جو تو جانے۔ کہ طاقت جسمانی قوت روحانی پر زیادتی نہیں رکھتی + اب تجھے یہ لازم ہے۔ کہ پورب پچھم کے شاہزادوں کو جو تو نے اپنے مکر و فریب سے قید کیا ہے چھوڑ دے۔ حق تعالے تجھ کو بھی دوزخ کی قید سے نجات دے گا +

لیکن اپنے بھائیوں کے واسطے بہت تقیّد سے کہا۔ کہ جب تک خدا مجھے پھر یہاں لائے اُن کی حفاظت قرار واقعی کیجیو + یہ کہہ کر رخصت چاہی تب اُس نے باچشمِ خوں بار یہ چند اشعار پڑھے۔

آتشِ سوزاں ہیں تو اے شوخ بے پروا نجا۔ نقدِ جانِ بے کساں کو چھوڑ کر تنہا نجا +
تشنہ لب اے ابرِ نیساں اس صدف کو چھوڑ کر۔ جانبِ ویرانہ ظالم اس قدر دوڑا نجا +
چل رہی ہے چار سو بادِ حوادث تیز و تند۔ کلبۂ احزاں سے تو اے شادیِ دلہا نجا +
تو نہیں واقف ہے حیلے سے زمانے کے ابھی۔ یوسفِ دوران یہ زنداں ہے تو پھر آنجا +
جس میں تو جاتا ہے وہ ہے بحرِ ناپیدا کنار۔ مان میری بات کو ظالم یہیں رہ جا نجا +
حشر کیا پروانے کو ظالم تو کیا دے گا جواب۔ چھوڑ کر اُن کو کہیں اے شمعِ نور افزا نجا +

اے عزیز تو نے معلوم کیا۔ کہ یہ میں نے کیا کہا + اس بات کا حاصل یہ ہے۔ کہ دلِ عرش منزل تیرا جو رونق بخش تخت بادشاہی کا۔ اور دیکھنے والا مادے اور مجرد کا تھا۔ جب اُس کی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی اُس کی بصارت کو زنگ لگا اور دیدۂ روشن تاریک ہو گیا + اب اُٹھ اور سرمۂ بینائی ڈھونڈھ یعنی گلِ مراد کی تلاش میں کوشش کر۔ لیکن راہ میں دُنیائے عیّارہ کی بازی میں کہ تختۂ فریب کا دھرا ہوا ہے مشغول نہونا۔ مبادا وہ پہلے تجھ کو فریفتہ کر کے بتا دے۔ اور بعد اُس کے مکر کی بلّی اور فریب کے چوہے کی مدد سے اچھّا پانسا اپنے حسبِ مرضی پھینکے اور اچانک تیرے توکل کا سرمایہ آخر ہو جائے۔ تب تجھ کو دائم الحبس کر رکھے + اگر تو صبر کے نیوے کی اعانت سے اس مکّارہ کی بازی طلسم کو درہم کر دے۔ تو وہ جو بادشاہوں اور گردن کشوں کی ہمنشین ہے تیری فرماں بردار لونڈی ہو کر چاہیے کہ تجھ کو اپنے حسن و جمال پہ لُبھائے۔ پھر اگر تو اُس کے مُنہ پر اُلفت سے نگاہ نہ کرے۔ تو یقین ہے۔ کہ گلِ مراد کے دامن تک تیرا دسترس ہو +

دیو سفید کی امداد

راوی شیریں زبان یہ داستان یوں بیان کرتا ہے۔ کہ تاج الملوک نے ٹھاٹھ قلندرانہ کیا۔ اور چہرے پر راکھ مل پھر خدا کا نام لے کر چل نکلا + بعد کئی روز کے ایک ایسے وادی پُر خار میں کہ جس کی انتہا نہ تھی۔ تاریکی سے ہرگز دن رات میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ سپیدی اور سیاہی میں ذرا بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا + وہاں جا کے وارد ہوا۔ اور اپنے دل کو ڈھارس دے کہنے لگا۔ کہ اے عزیز یہ پہلی ہی بحرِ مصیبت کی لہر ہے۔ تجھ کو تو ابھی سارا دریا کا دریا تیرنا ہے۔ ہمّت کی کمر چُست باندھ۔ اور سمندر کے مانند آپ کو آتش کدے میں ڈال۔ دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے ؎

غوّاص کرے خوف جو گھڑیالوں سے ۔ تو ایک بھی موتی نہ لگے ہاتھ اُس کے +

یہ سوچ کر آخرش اُس صحرا میں جا نکلا + جو قدم پڑتا تھا۔ کانٹا گڑتا تھا۔ ہر گام پہ آہ و نالہ کرتا تھا + غرض اُس دشت پُر خار میں جو جاہلوں کے دل سے تاریک تر تھا۔ درندوں کا مسکن پُر خطر تھا۔ اگر ایک دم وہاں آفتاب آ نے۔ تو اپنا نور کھو جانے + ہر طرف اژدہے بھوکے پیاسے مُنہ کھولے پڑے تھے۔ گویا خالی گھروں کے دروازے + چھالوں کے سوا نہ کہیں دانہ۔ پھپھولوں کے سوا نہ کوئی آبِ تازہ + مدت تک شاہزادہ داہنے بائیں چاروں طرف دوڑتا پھرا۔ جھاڑیوں کی رگڑ رگڑ سے بدن چھل گیا۔ ہر ایک عضو سے لہو ٹپکنے لگا۔ یہاں تک۔ کہ تلوے اُس کے ببول کے کانٹوں سے چھد گئے + کہتے ہیں۔ کہ شاہزادے نے ایسی مصیبت اور محنت اُٹھا کر بارے اُس جنگل کو طے کیا۔ اور لاکھوں سجدے شکرِ الٰہی کے بجا لا کر آگے بڑھا +

سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آیا۔ اور وہ سمجھا یہ پہاڑ ہے۔ جب نزدیک پہنچا دفعتاً اس ظالم نے اپنے سر کو بلند کیا۔ ہمسرِ فلک ہوگیا۔ اور مارے خوشی کے گرج کر بولا۔ کہ تصدق جاؤں میں اپنے رازق کے۔ اور قربان ہوں۔ اُس خالق کے۔ کہ جس نے ایسا لقمۂ لطیف مجھ دیو کثیف کے واسطے گھر بیٹھے بھیجا۔ یہ کہہ شہزادے سے مخاطب ہوکر بولا۔ کہ اس ایامِ جوانی میں تجھے کس نے عروسِ اجل کا مشتاق کیا۔ اور حلاوتِ زندگانی کو تجھ پر شاق کیا۔ جو تو شہرِ حیات کو چھوڑ کر پائے خواہش سے ویرانۂ موت میں آیا؟

شہزادہ اُس کی ہیبت سے تھرّایا۔ چہرے کا رنگ پتنگ سا اُڑ گیا۔ مُنہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ کہا۔ اے دیو تو میرا حال کیا پوچھتا ہے۔ کہ زندگانی اس دُنیائے فانی کی مجھ پر وبال ہوئی ہے۔ اگر مجھے اپنی جان عزیز ہوتی۔ تو میں ہرگز آپ کو موت کے پنجے میں نہ ڈالتا۔ اور تجھ سے خوں خوار کے دام میں گرفتار نہ ہوتا۔ اب مجھ کو زندگانی کی صعوبت سے چھُڑا۔ اور بلا توقف میرا کام تمام کر۔ کہ ایک ساعت کی زیست مجھ پر سو برس کی مشقت کے برابر ہے

کٹے خوشی سے تو ہے زیست خضر کی تھوڑی ۔ نہیں تو نیم نفس بھی بہت ہے جلنے کو

دیو کو اُس کی دردانگیز باتوں پر رحم آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی قسم کھاکر یہ بات زبان پر لایا۔ کہ اے آدم زاد میں تجھے ہرگز رنجیدہ خاطر نہ کروں گا۔ اور سرِ مو تصدیعہ نہ دوں گا۔ بلکہ اپنی پناہ میں رکھ کر جس مطلب کے واسطے نکلا ہے اُس میں کوشش اور مدد کروں گا۔

پس ہر روز دیو شاہزادے پر شفقت زیادہ کرتا۔ اور بار بار دلاسا دیا کرتا۔ تاج الملوک میٹھی میٹھی باتیں کرکے اُس سے شیر و شکر کے مانند مل گیا۔ اور چاپلوسی اور تملق سے اُس کو محبت کے شیشے میں اُتارا۔ القصّہ ایک روز دیو نے مہربان

ہو کر کہا۔ تیری غذا کیا ہے۔ میں لاؤں؟ تاج الملوک نے عرض کی آدمیوں کی غذا شکر۔ گھی۔ مانڈہ۔ گوشت وغیرہ یہی چیزیں ہیں +

یہ سُنتے ہی دیو اُٹھ دوڑا۔ اور ایسے قافلے پر پہنچا۔ کہ جس کے لوگ شکر اور گھی اور میدہ اونٹوں پر لادے ہوئے کہیں لئے جاتے تھے + وہ لدے لدائے اونٹ اُٹھا کر شاہزادے کے آگے آیا۔ کہا اپنی خورش لے۔ اور اس سے کچھ کھا + تاج الملوک نے اونٹوں پر سے وہ سب اُتار لیا۔ اور اُنھیں جنگل میں چھوڑ دیا۔ پھر ہر روز اپنے کھانے کے موافق کچّی پکّی روٹی پکا کر کھانے لگا +

اسی طرح چند روز گزرے۔ ایک دن شاہزادے نے کئی من میدا لے کر اُس میں گھی شکر ملا کر بڑی بڑی پتھر کی چٹانوں پر ڈال کے ہاتھ پاؤں سے خوب روندکر گوندھا + پھر ادھر اُدھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے روغنی روٹ سینک سا نان تیار کیئے۔ اور ایک اونٹ کے کباب بھی خوب نمکین بھونے + دیو نے دیکھ کر پوچھا۔ کہ آج تو نے کیوں اتنی تکلیف اُٹھائی۔ اور کس واسطے فضولی پر کمر باندھی؟ تاج الملوک نے کہا۔ یہ سب تمھارے لیئے ہے تاکہ تم بھی ایک نوالہ اس میں سے کھا کر آدمیوں کے کھانے کی لذّت دریافت کرو + دیو نے ایک بارگی سب کا سب اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لیا۔ ازبس کہ اس طرح کے کھانے کی اُس نے کبھی لذّت نہ چکھی تھی۔ مارے خوشی کے اُچھل اُچھل کر کھاتا تھا۔ اور بار بار شاباش کہہ کر تعریف کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اے آدمی زاد! تو نے مجھے ایسی چیز کھلائی۔ کہ میرے باپ دادے نے بھی کبھی نہ کھائی ہوگی۔ بلکہ آج تک کسی دیو نے ایسے کھانے کی لذّت نہ پائی ہوگی + اس روٹی کے ٹکڑے کا احسان میں ابد تک مانوں گا۔ اور دل سے تیرا ممنون رہوں گا +

شاہزادے نے جو اُس کی رغبت دیکھی۔ تو ہر روز نئے قسم کی روٹی اور کباب

تیار کر کے کھلاتا۔ دیو نہایت محظوظ اور خوش ہوتا+ یہاں تک۔ کہ ایک روز خود بخود کہنے لگا۔ اے آدم زاد تو ہر روز اس لقمۂ لذیذ سے مجھے ایسا خرسند رکھتا ہے۔ کہ اگر میرے بدن پر ہر روئیں کی جگہ زبان پیدا ہو اور ہر زبان سے شکر تیرے احسان کا ادا کروں۔ تو بھی نہ ہو سکے+ لیکن اب تک تیرا کوئی کام میرے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اگر کچھ مطلب ہو تو بیان کر؟

تاج الملوک نے عرض کی۔ کہ میں نے سنا ہے دیوؤں کا مزاج اکثر جھوٹ کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور اپنی بات پر قائم نہیں رہتے+ اگر تم حضرت سلیمان کی قسم کھاؤ تو میں اپنا راز تم سے ظاہر کروں؟ تب دیو بولا۔ کہ میں اس بزرگ قسم سے ڈرتا ہوں۔ خدا جانے کیا کہے۔ اگر وہ مجھ سے نہو سکے۔ تو مرنا پڑے+ آخر ش چار ناچار قسم کھائی اور پوچھا کہو کیا مطلب ہے؟

تاج الملوک نے کہا۔ کہ ایک مدت سے مجھ کو ملک بکاؤلی کی سیر کا سودا ہوا ہے۔ اُس سرزمین میں پہنچا دے۔ یہی میری آرزو ہے+ یہ بات سنتے ہی اُس نے ایک دم سرد سینے سے کھینچا۔ اور دو ہتھڑ اپنے سر پر مار کر بے ہوش ہو گیا+

بعد ایک رات کے ہوش میں جو آیا ہائے ہائے کرنے لگا۔ اور ماتم زدوں کی صورت بنا کر بولا۔ اے آدم زاد حق تعالےٰ تیری اجل کا سر رشتہ میرے ہاتھ میں نہ دیا۔ بلکہ میری حیات کی باگ تیرے ہاتھ میں دی+ سن۔ بکاؤلی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اٹھارہ ہزار دیو بلکہ اس سے بھی زیادہ اُس کے باپ کے غلام ہیں۔ وہ ہر طرف اُس کے ملک کی پاسبانی کرتے ہیں+ تو ایک طرف۔ وہاں کے خاص چوکیدار جو اُس ملک سے نزدیک ہیں۔ اُنھوں نے بھی اُس شہر کی چار دیواری کو نہ دیکھا ہوگا۔ کسی ذی حیات کی کیا طاقت۔ بلکہ صرصر بھی اُن دیوؤں کی اجازت کے بغیر جو برس روز کی راہ تک نگہبان ہیں۔ ممکن نہیں کہ پہنچ سکے۔ اور پریاں بیٹھا

دن رات نگہبانی میں مشغول ہیں۔ کہ کوئی پرندہ اُس سرحد میں پر نہ مارے۔ اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ بے انتہا فوج سے اور سانپ بچھوؤں کا لشکر زمین پر محافظت کے واسطے مقرر ہے۔ تا کوئی سرنگ لگا کر بھی نہ پہنچے + بھلا پھر میں تجھے وہاں کیونکر پہنچاؤں؟ اور جو نہ پہنچا تو یقین ہے۔ کہ بسبب اس قسم کے جان سے جاؤں + اب تو ایک کام کر کہ آج پھر اُسی طرح سے کھانا پکا۔ دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہو۔ اور میری کوشش کے ہاتھوں کیا بن پڑے +

تاج الملوک نے وہی کیا۔ جب کھانا دیو نے تیار دیکھا۔ چنگھاڑا۔ فوراً شمال کی طرف سے ایک اور دیو پہاڑ سا پہنچا۔ اور دونوں دست بوسی کر کے بیٹھ گئے۔ پھر تاج الملوک پر دوسرے دیو کی نظر پڑی۔ شاہزادے نے فی الحال جھک کر سلام کیا۔ اُس کے سلام کرنے سے دیو نے حیران ہو کر صاحب خانہ سے پوچھا۔ کہ اے بھائی۔ یہ مقام تعجب کا ہے۔ اب تک کسی نے نہ دیکھا نہ سُنا ہوگا۔ کہ دیو اور آدمی سے موافقت ہو۔ اور دونوں ایک جگہ ہمنشین رہیں۔ اس کے یہاں رہنے کا کیا باعث ہے؟

دیو نے کہا اے بھائی! اس آدم زاد نے مجھ کو نہایت ممنون کیا ہے۔ مجھے کسی طرح اس سے بدی کرنی منظور نہیں۔ اور تجھ کو اسی واسطے بلایا ہے۔ کہ تو بھی اس کے ہنر سے واقف ہو + یہ کہہ کر صاحب خانہ نے سامان مہمانی کا مہمان کے آگے رکھا۔ وہ دیو اُس لقمۂ شیریں کو منہ میں ڈالتے ہی نہایت متلذذ ہو کر خوشی کے مارے ناچنے لگا + آخر کھا پی کر مہمان نے کہا۔ کہ کہو بھائی تم سے بھی آج تک اس آدمی کا کچھ کام ہوا۔ یا نہیں؟ گھر کے مالک نے جواب دیا۔ کہ یہ شخص ایسے کام کے واسطے تکلیف دیتا ہے۔ کہ میرے حدِ امکان سے باہر اور سعی اور تردد کے احاطے سے خارج ہے + اگر تو مہربانی کرے۔ تو شاید یہ کامیاب ہو +

پھر اُس نے پوچھا۔ کہ یار ایسی کون سی بات ہے۔ جو تم اُس میں عاجز ہو؟ میزبان نے کہا۔ کہ اس کو سیر مُلک بکاؤلی کی خواہش ہے+ مہمان بولا۔ جو جان بوجھ کے پوچھے تو پھر خطا ہے سوال + صاحب خانہ نے کہا۔ کہ میں نے حضرت سلیمانؑ کی قسم کھائی ہے۔ مگر تو توجہ کر کے اس کو شاہد مراد سے ملائے۔ تو فی الحقیقت میری جاں بخشی کرے +

القصہ اُس دیو کی بہن حمالہ نام۔ اٹھارہ ہزار دیو جو بکاؤلی کے ملک خاص کے چوکیدار تھے۔ وہ اُن کی سردار تھی+ اس کو ایک خط اس مضمون کا لکھا۔ کہ اے خواہر عزیز مجھ کو ان دنوں میں ایک سفر ایسا درپیش ہوا ہے۔ کہ بغیر اُس کے کسی صورت سے مجھے رہائی نہیں۔ اور ایک مدت سے میں نے ایک آدم زاد کو جائے فرزند پرورش کیا ہے+ اب میرے جانے کے بعد گھر خالی رہے گا۔ بہرصورت جائے خوف وخطر ہے۔ اس واسطے اس نور دیدہ کو تمہاری خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے کہ اس کے حال پر شفقت کی نظر رکھو+ کسی طرح یہ تصدیع نہ اُٹھائے۔ والسلام + اور قاصد کے ہاتھ میں دیا +

پھر تاج الملوک کی طرف مُنہ پھیر کر اشارہ کیا۔ کہ اس کے ساتھ جا۔ میں نے تو کمندِ سعی اور ترددّ اپنے بازو کے زور سے میدانِ مطلب میں پھینکی۔ اگر تیرا چوگان بخت مدد کرے۔ تو شاید اپنے مطلب کو پُہنچے +

حمالہ کی خدمت میں

یہ کہہ کر قاصد کے بائیں ہاتھ پر بٹھا دیا۔ اُس نے داہنے ہاتھ کا سایہ کیا۔ اور راستہ پکڑا۔ بہ خیریت تمام منزلِ مقصود میں جا پُہنچا۔ اور دُور سے حمالہ کو سلام کر کے شاہزادے کو نامے سمیت حوالے کیا+ وہ دیکھ کر نہایت خوشی سے مانند غنچے کے

کھل گئی ص

سماتی تھی نہ اپنے پیرہن میں - خوشی سے روح پھولے تھی بدن میں +
الغرض قاصد کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی - اگر بھائی مجھ کو سُرخ گندھک کی کان بھیجتا -
یا انگوٹھی حضرت سلیمان کی - تو میں اتنا خوش نہ ہوتی - جیسا کہ اس کے آنے سے ہوئی +
اس کے بعد خط کا لفافہ کھول کر اُس کا احوال دریافت کر کے جواب لکھا + اے برادر
مجھ کو ایک دن بستی کی سیر کا اتفاق ہوا تھا - وہاں ایک بادشاہ کی بیٹی نہایت خوبصورت
لاثانی میرے ہاتھ لگی - اُس کو بیٹی کی طرح میں نے پرورش کیا - محمودہ نام رکھا +
اب وہ چودہ برس کی چودھویں رات کے چاند سی ہوئی - کارساز نے اُس کا
جوڑا اس تقریب سے بھیجا - الحمد للہ - کہ یہ بات خاطر خواہ بن پڑی + زیادہ شوق
ملاقات - والسّلام + اور خط دیکے نامہ بر کو رخصت کیا + پھر محمودہ کو تاج الملوک
کے ساتھ بیاہ دیا +

اے عزیز روشنی چشم ظاہر بیں کی سات پردوں میں ہے - اور تجلی باری تعالیٰ
کی - کہ نور دیدۂ اولیا ہے - ستر ہزار پردے میں ہے + اگر یہ ارادہ ہو - کہ وہ پردے
درمیان سے اُٹھیں - تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اُٹھا کر
اُس کو بس میں کر - کہ وہ یقین اپنی کجروی چھوڑ کر محمودہ کے مقام میں پہنچائے لیکن
یہ بات یاد رکھ - اگر دیو سے اُلٹا کیجئے - تو سیدھا پڑے +

القصّہ تاج الملوک چند مدّت محمودہ کی صحبت میں رہا لیکن اُس غنچہ دہن کا دل
اُس کی باتوں سے نہ کھلا + اُس گل کے پاس شگفتہ ہو کر نہ بیٹھا - ایک رات تاج الملوک
بولا - مجھ کو ایک مہم درپیش ہے - اور میں نے عہد کیا ہے - کہ جب تک وہ سر نہو - دنیا
کی تمام لذتوں کو حرام سمجھوں + محمودہ بولی وہ کیا ہے - بیان کر ؟ کہا - کہ میں گلِ
بکاؤلی کے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں + محمودہ نے جواب دیا - خاطر جمع رکھو +

انشاء اللہ تعالےٰ کل رشتۂ اُمید کی گرہ ناخن تدبیر سے کھولوں گی۔ اور وہ ملک تجھے دکھاؤں گی +

جب ماہتاب چھپا اور آفتاب نکلا۔ حمالہ دونوں کو اپنے داہنے بائیں زانوؤں پر بٹھا کر شفقت اور الطاف مادرانہ کرنے لگی + محمودہ بھی سروقد اُٹھ کر آداب بجالائی۔ اور عرض کی۔ اے اماں جان! میں کچھ گزارش کیا چاہتی ہوں۔ اگر قبول ہو تو عرض کروں؟ حمالہ نے سر و آنکھیں چوم کر کہا۔ کہ بے تکلف کہو؟ محمودہ بولی۔ کہ یہ ملک بکاؤلی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جس طرح تم سے ہو سکے ان کو وہاں پہنچاؤ +

حمالہ نے چند در چند حیلے اور عذر کئے۔ آخرش دیکھا لڑکی کسی طرح خیال نہیں چھوڑتی۔ ناچار قبول کیا۔ اور چوہوں کے بادشاہ کو بُلا کر فرمایا۔ کہ اسی وقت یہاں سے بکاؤلی کے باغ تک سُرنگ کھود کر اس شاہزادے کو۔ کہ میری حیات کا سرمایہ ہے۔ اپنی گردن پر سوار کرکے اُس باغ میں پہنچا۔ مگر خبردار سرِ مو اسے آسیب نہ پہنچے۔ ہرگز اپنی گردن سے نیچے نہ اُترنے دیجیو + اُس نے بموجب حکم کے ویسا ہی کیا +

بکاؤلی کا باغ

باغ میں پہنچ کر شاہزادے نے آہستہ آہستہ چاہا۔ کہ اُتر کر اس میں جائے۔ چوہے نے نہ چھوڑا۔ اور ارادہ پھرنے کا کیا + تاج الملوک بولا۔ کہ اگر تو مجھے اس باغ کی سیر کو جانے دے تو بہتر۔ نہیں تو میں آپ کو ابھی ہلاک کرتا ہوں + چوہا ڈرا۔ کہ اگر یہ اپنی جان پر کھیل جائے گا۔ تو میں بھی حمالہ کے ہاتھوں نہ بچوں گا۔ ناچار جانے دیا + تاج الملوک جا کر دیکھتا کیا ہے۔ کہ سونے کی زمین پر زرِ خالص کی چار دیواری ہیں لعلِ بدخشانی اور عقیقِ یمنی نیچے سے اوپر تک جڑے ہیں۔ زمرد کے چمنوں کے آس پاس فیروزے کی نہریں گلاب سے معمور۔ جن کو دیکھ کر خدائی نظر آتے ہیں جاری

سُبحان اللہ کیا سُہانا باغ ہے۔ کہ دیکھنے والوں کے مُنہ پر جس کے چمن کی سیر سے شفق پھولی ہوئی نظر آئے۔ اور پھولوں کے رنگ کی سُرخی سے گل سُرخ آفتاب کا شرمندگی کے مارے پسینے میں ڈوب جائے، وہاں کے انگور کا خوشہ زمردیں عقدۂ پروین کا رشک بڑھاتا ہے۔ اور سُنبل کا عالم ہر ایک زہرہ جبین کے گھونگر والے بالوں کو پیچ و تاب میں لاتا ہے، اگر اُس کے گلزار کی شبنم کا ایک قطرہ سمندر میں پہنچے۔ تو مچھلیوں میں گلاب کی بُو آنے لگے، جو وہاں کے پرندوں کی صدا آسمان کے کان میں پڑے۔ تو پھرنے سے باز رہے، اور اگر زہرہ سُنے۔ تو فی الفور وجد میں آکر ناچتی ہوئی ماہتاب کی طرف سمت زمین پر گر پڑے، معشوقوں کی فندقوں سے وہاں کے عناب رنگین تر۔ اور سر گردانی میں قامت خوباں سے کہیں بہتر، اُس کے ایوان کی شمع کا اگر مرغِ زریں فلک پروانہ ہو تو بجا ہے۔ اور ماہتاب اُس کی صفائی پر دیوانہ ہو تو روا ہے، طرفہ تر یہ کہ لعل کے درختوں میں موتیوں کے گُچھے ایسے درخشاں ہیں۔ جیسے خورشید کے شجر میں ستاروں کے خوشے آویزاں، گلاب کے جڑاؤ حوضوں پر زمرد کی ڈالیاں ہوا سے جُھک جُھک گریں۔ اور بطیں گوہر شب چراغ کی اُن میں تیرتی پھریں ۔

شاہزادہ یہ رنگ ڈھنگ دیکھتا بھالتا۔ قدم بڑھائے چلا جاتا تھا۔ کہ ایک دالان صرف یاقوت کا۔ اور اُس کے سامنے زبرجد کا۔ اور بیچ میں اُن کے ایک حوض مرصع پاکیزہ گلاب سے بھرا ہوا۔ اُس اطراف کے ناندوں میں جواہر خوش آب کے گُٹے دھرے ہوئے۔ اور اُس میں ایک پھول نہایت لطیف و نازک خوشبودار کھلا ہوا نظر آیا، تاج الملوک نے ذہن کی رسائی سے دریافت کیا۔ کہ ہو نہ ہو گل بکاؤلی یہی ہے۔ فوراً کپڑے اُتار کر حوض میں کود ا۔ اور گُل مقصود کو لے کر کنارے پر آیا، پوشاک پہنی اور اُس کو کمر میں باندھ لیا۔ پھر محل کی سیر کو متوجہ ہوا ۔

آگے بڑھتے ہی ایک قصرِ عقیقِ یمانی کا نظر آیا۔ دروازے اُس کے ہم پہلوئے آسمان نئے طور کے تھے۔ اُس کے ہر مکان کی چمک کے آگے دھوپ پھیکی اور چاندنی دُھندلی + یہ پروانے کی مانند شوق کے بال و پر کھولے ہوئے اُس کے اندر بے دھڑک چلا آیا + ہر ایک دالان نہایت خوش اسلوب۔ عقیق اُس کا بہت خوب + اُس کی ساخت کے نئے آئین۔ اور خوش قطع ہر ایک شہ نشین نظر پڑے + پردے اُس کے کارچوبی۔ جابجا سلمے کی بیل۔ ستاروں کے بوٹے۔ سب کے سب چھوٹے ہوئے تھے + شاہزادہ اُس میں بھی درآیا۔ مگر ہکا بکا سا کھڑا رہ گیا + ایک جڑاؤ پلنگ پر ایک پری نازنین دُبلی پتلی مستِ خواب نظر آئی + بال بکھرے ہوئے۔ کاجل پھیلا ہوا ناز سے ہاتھ ماتھے پر رکھے ہوئے۔ جوانی کی نیند میں بے خبر سوتی ہے + اُس کے رخسارِ آتش ناک سے زمین و آسمان نورانی۔ آئینۂ مہر و ماہ کو ہمیشہ حیرانی۔ اور اُس کی چشمِ سیہ مست سے نرگس کو مدام پشیمانی + لبِ نازک کے رشک سے لالہ خون میں غلطاں۔ اور ابرو کی چاہ سے ہلال زار و ناتوان۔ معلم بہار اُس کے غنچۂ دہن سے کوئی حرف نہ سُنے۔ تو اطفال شگوفہ کو بھولنے کا سبق نہ دے سکے + اگر زنگیِ شب اُس کی زُلفِ شکین کے سائے میں نہ آتے۔ تو آفتاب کی تیغ شعاع سے مارا جاتے ؎

سرو قد گل عذار عنبر مو ۔ شکریں لب عزیز دل مہرو +
کہیں پردے سے گر وہ باہر آئے ۔ چاند سورج کی جوت پھیر جائے +
سلکِ دنداں سے گر خبر پاتا ۔ تو ثریا کو پردہ ہی بھاتا +
وصف کرتا ہے کیا تو اس گل کا ۔ اُس کی بلبل کو اس چمن میں لا +

تاج الملوک دیکھتے ہی بے خود ہو کر گر پڑا۔ ایک ساعت کے بعد جو آپ میں آیا۔ آپ کو سنبھال کر جوں توں اُس کے سرہانے تک پہنچا۔ اور ایک دمِ سرد دلِ پُر درد سے بھر کر یہ اشعار پڑھے ؎

جب اُٹھا کر نقاب ہو تو عیاں ۔ کھینچے شرمندگی مہ تاباں ✤
تیرے گیسوئے مشک فام میں یار ۔ لیلۃ القدر رہتی ہے پنہاں ✤
مست ہر دم شراب حُسن سے ہے ۔ کس کی پروا ہوا ہے مہ تاباں ✤
ہم پہ کیا کیا گزر گیا لیکن ۔ ہوئی کچھ خبر تجھے جاناں ✤

القصّہ شاہزادے نے اپنے دل میں تجویز کیا۔ کہ یہاں اپنے آنے کی نشانی کچھ چھوڑ جایا چاہیئے + اُس پری کی انگوٹھی با آہستگی و بہ نرمی اُتار لی۔ اور اپنی پہنا دی۔ اور پھر آنکھیں چھپر کر یہ شعر پڑھتا ہؤا وہاں سے چلا ع

لالہ ساں اس باغ سے ہم داغ ہجراں لے چلے۔ خاک سر پر داغ دل پر سینہ بریاں لے چلے ✤
باغ دُنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا بے نصیب ۔ آئے ایسے باغ میں اور خالی داماں لے چلے ✤

آخر حالتِ خواب میں اُس سے وداع ہؤا۔ اور سُرنگ کی راہ سے چوہے پر سوار ہو کر اپنے مکان پر آ پہنچا + حالہ کہ انتظار میں رونی صورت بنائے خونِ جگر آنکھوں میں بھرے بیٹھی تھی۔ اس کے پہنچنے سے اُس کا غنچۂ خاطر کھل گیا۔ وہ ہنسی خوشی سے کٹا + اتنے میں عروسِ روز نے شفق کے گھونگٹ میں اپنا مُنہ چھپایا۔ اور محبوبۂ شام نے طرّۂ مُشک فام دکھایا۔ تاج الملوک اپنی اُمنگ سے زنگ محل میں گیا۔ اور اُس رات محمودہ سے ہم کلام ہؤا۔ بلکہ اسی طرح چند روز عیش و عشرت میں کاٹے ✤

تاج الملوک اور محمودہ کی رخصت

کہتے ہیں۔ ایک رات تاج الملوک محمودہ سے خلوت میں ادھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا۔ اے مایۂ عیش و شادمانی! اگرچہ اس جگہ سب طرح کی خوشی ہے۔ اور کسی صورت کا رنج نہیں۔ ہر وقت جو اسبابِ نشاط چاہیئے

وہ موجود ہے۔ لیکن کب تک ہم وطن وہم جنسوں سے دُور رہئے۔ اور کہاں تک دوستوں کی جُدائی کا غم سہئے؟ کچھ ایسی تدبیر کیا چاہئے۔ کہ اس مجلسِ ناجنس سے رہائی پائیے۔ اور دُشمنوں کے پنجے سے چھوٹ جائیے

ہے عزیزوں ہی کی صحبت سے تو جینے کی بہا۔ ورنہ کیا فائدہ ہے خضر سا تنہا رہنا +

محمودہ نے کہا۔ کہ خاطر جمع رکھ کل رُخصت لونگی +

جب عطارِ گردوں نے مُشک تا تارِ شب سے شیشۂ ماہ بھر کر طاقِ مغرب میں دھرا۔ اور خوانِ زریں آفتاب کا دُکانِ مشرق پر رکھ کافورِ صبح سے بھرا۔ حمالہ نے دو بھاری بھاری خلعت اور کئی خوان میوے کے تیار کر کے دونوں کو خوابگاہ سے باہر نکالا۔ پھر خلعت پہنا کر۔ اور میوہ کھلا کر داہنے بائیں زانو پر بٹھا لیا۔ اور سر مُنہ چومنے لگی + اس اشفاق پر بھی دونوں کا غنچۂ خاطر نہ کھلا۔ تب بولی۔ اے دختر باتمیز۔ و اے دامادِ عزیز! جو تمنّا تمہارے دل میں ہو سو کہو؟ آسمان کے تارے بھی مانگو گے تو اُتار لاؤں گی +

محمودہ نے اُٹھ کر عرض کی۔ کہ تمہاری توجہات اور عنایات سے کوئی آرزو ہمارے دل میں باقی نہیں + اگرچہ تمہاری آتشِ جُدائی بھی چمنِ عشرت کو جلائے گی۔ اور تمہاری مجلس سے جانا گویا جان کی رُخصت ہے۔ لیکن ہر ساعت ہمجنسوں کا شعلۂ فراق میرے سینے میں بھڑکتا ہے۔ اُس نے دل و جگر کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا ہے + اگر حکم ہو تو چند روز کے واسطے ہمجنسوں کی صحبت میں جاؤں۔ اور اُن کے آبِ وصال سے اس آگ کو بجھاؤں۔ کہیں رہوں میں پرستار ہوں مگر تیری +

حمالہ نے اس بات کے سُنتے ہی ٹھنڈی سانس بھری۔ اور کہا۔ کہ میں نے اس واسطے تجھے پرورش کیا تھا۔ کہ اپنی آنکھوں کو صبح و شام بلکہ مدام تیرے

سُرمۂ دیدار سے روشن رکھوں ۔ یہ تو کیا کرے ۔ حق بجانب تیرے ہے میں خوب جانتی ہوں ۔ کہ یہ فتنہ سویا ہؤا شاہزادے نے جگایا ۔ اگر آگے سے میں ایسا جانتی ۔ تو ہرگز تیرا بیاہ اس کے ساتھ نہ کرتی ۔ یہ ہے گناہ مرا کچھ نہیں خطا تیری ❊

قصہ مختصر حمالہ نے دیکھا ۔ کہ ہرگز ان کا دل یہاں نہیں لگتا ۔ ایک دیو بلا کر کہا ۔ کہ جہاں کہیں شاہزادے کی مرضی ہو ۔ باحتیاط تمام وہاں پہنچا دے ۔ اور اُن کی رسید مجھے لا دے ۔ تو تیری جان کی خلاص ہو گی + اس کے بعد حمالہ نے دو بال اپنے سر سے اکھیڑ کے ایک تاج الملوک کو دوسرا محمودہ کو دیا ۔ اور کہا کہ جس وقت تجھ کو کوئی مہم درپیش ہو ۔ تو یہ بال آگ پر رکھنا ۔ اور مجھ کو اٹھارہ ہزار دیو سمیت بات کی بات میں وہیں پہنچا جاننا ۔ پھر تاج الملوک کے ہاتھ میں محمودہ کا ہاتھ دے کر یہ شعر پڑھا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را ۔ تو دانی حساب کم و بیش را ❊

کہنے والے نے یوں کہا ہے ۔ کہ اُسی وقت وہ دیو پہاڑ کے مانند بجلی سا تیز دوڑا آیا ۔ پوچھنے لگا جہاں فرماؤ پہنچا دوں ؟ شاہزادہ بولا شہر فردوس میں دلبر لکھا بیسوا کے باغ میں + یہ سُنتے ہی اُن دونوں کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر ایک پل میں وہاں جا کر اُتارا ۔ اور رسید مانگی + تاج الملوک نے کہا ذرا تامل کر میں لکھے دیتا ہوں + جو آواز شاہزادے کی بیسوا کے کان میں پڑی سُنتے ہی دوڑی آئی ۔ اور اُس کے قدموں پر گر پڑی ۔ پھر سجدۂ شکرِ الٰہی بجا لا کر بولی ؎

ہر مو کی جگہ تن پہ اگر میرے زباں ہو ۔ تو بھی نہ تری بندہ نوازی کا بیاں ہو ❊

شاہزادے نے اپنے پہنچنے کا حال لکھ کر دیو کو دیا ۔ اور رخصت کیا + اس کے بعد بیابان کی صعوبت ۔ دیو ستم کی شفقت ۔ حمالہ کی مروّت ۔ محمودہ کے نکاح کی کیفیت ۔ گل بکاؤلی کے ہاتھ آنے کی حقیقت مفصّل اُس سے بیان کی +

پھر وہ اُٹھ کر محمودہ سے ملی۔ اور بہت سی اُس کی دلداری اور مہمانداری کی۔ شاہزادے نے وہاں چندروز توقف کیا۔ پھر اپنے ملک کے جانے پر مستعد ہوا۔ اس واسطے کہ گل پہنچنے سے اُس بلبلِ منتظر کی آنکھیں روشن ہوں + فرمایا کہ اسباب سفر کا تیار کریں۔ کشتیوں پر بار کریں +

اہل کار وہی عمل میں لائے۔ اتنے میں بندی خانے کے داروغہ نے آ کر عرض کی کہ پورب کے شاہزادوں کے حق میں کیا حکم ہوتا ہے؟ تاج الملوک صاحب خانہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ کہ ہر چند میں بھائیوں کی سفارش کروں۔ لیکن قبول کیجیو۔ جب تک وہ تیری مُہر کا داغ نہ کھائیں +

جوں ہی زنداں بان اُن کو لایا۔ تاج الملوک نے بہت سی شفاعت کی۔ کہ اکثر شاہزادے پورب پچھم کے تو نے چھوڑ دئے۔ ان بیچاروں کو بھی اس گرفتاری سے نجات دے۔ کہ خلق میں تیری نیکنامی اور خالق کے آگے سُرخ رُوئی ہو + وہ بولی آپ اس میں دخل نہ دیجئے۔ میں ہرگز نہ چھوڑوں گی۔ مگر ایک صورت سے کہ میری مُہر کا داغ کھائیں + شاہزادوں نے اس کے سوا اور کچھ اپنی رہائی کی صورت نہ دیکھی۔ ناچار قبول کیا۔ دغوا کے وہاں سے چھوٹے اور جان سلامت لے گئے +

تاج الملوک نے چلتے وقت ایک ایک خلعت اور لاکھ روپے خرچ کے واسطے دلوا دئے۔ اُنہوں نے اور کسی شہر میں کچھ جمعیت بہم پہنچائی۔ پھر وطن کی راہ لی + تاج الملوک نے بھی دلبر اور محمودہ کو مع اسباب اپنے ملک کی طرف تری کی راہ سے رخصت فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔ کہ فلانے شہر میں پہنچ کر مقام کرنا۔ میں بھی عنقریب خشکی کی راہ سے پہنچتا ہوں +

برادرانِ یوسف

کہتے ہیں کہ تاج الملوک فقیروں کے بھیس میں پیچھے پیچھے بھائیوں کے چلا آتا تھا۔ کہ ان کا ارادہ کماحقۂ دریافت کرے۔ الغرض وہ جہاں اُترے ہوئے تھے آن پہنچا۔ اور ایک کونے میں بیٹھ کر اُن کی لن ترانیاں اور جولانیاں جھوٹی جھوٹی سُننے لگا۔ آخر نہ رہ سکا۔ سامنے آکر دیدہ دلیری سے کہنے لگا۔ یہ بیہودہ آپس میں کیا کہہ رہے ہو؟ اپنا مُنہ دیکھو۔ گُل بکاؤلی میرے پاس ہے۔ اور اُسی وقت اُس کو کمر سے کھول کر اُن دغابازوں کے سامنے رکھ دیا۔

شاہزادے طیش کھا کر بولے۔ بھلا اس کو آزمائیں۔ اگر تیری بات سچی نہو۔ تو جو ہم چاہیں تجھ کو سزا دیں۔ تاج الملوک نے کہا کہ سانچ کو آنچ کیا۔ بہت بہتر۔ پھر اندھے کو بُلا کر پھول اُس کی آنکھوں میں ملا فوراً وہ نابینا بینا ہوگیا۔ وہ اس تماشے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آخر نادم ہو کر پھول زبردستی چھین لیا۔ اور مارے طمانچوں کے اُس کا مُنہ لال کیا۔ پھر گردن میں ہاتھ دے کر وہاں سے نکال دیا۔ اور خرم وشاداں وطن کی راہ لی۔

چند روز کے بعد اپنے ملک کی سرحد میں پہنچے۔ اور ایک پیک کو آگے بھیجا۔ کہ ہمارے آنے کی خبر جلد پہنچا۔ وہ اُن کا حکم فی الفور بجا لایا جب زین الملوک نے یہ خبر فرحت اثر سُنی۔ باغ باغ ہو کر یہ قطعہ پڑھا

تبا دلا مجھے آیا یہ قاصدِ جاناں — کہ درد کھونے کو پہنچا ہے صاحبِ درماں
ہر ایک غنچۂ خاطر کھلا ہے کنعاں میں — نسیم لائی مگر بُوئے یوسفِ کنعاں

حاصل کلام بادشاہ خود کئی منزل استقبال کے واسطے تشریف لے گئے جب دوچار ہوئے۔ شاہزادوں نے قدم بوسی کی۔ اور بادشاہ نے اُن کا ماتھا چوما۔

ایک ایک کو چھاتی سے لگایا۔ الطاف فرمایا + پھر شاہزادوں نے گلِ بکاؤلی نذر کیا۔ حضرت نے جوہیں آنکھوں پر ملا۔ وہیں تاراسی روشن ہوگئیں + تب کہا الحمدللہ دیدۂ ظاہری کو اس پھول نے نورانی اور دیدۂ باطن بیٹوں کے دیدار سے منوّر ہوا + اس کے بعد بادشاہ نے جشنِ شاہانہ شروع کیا۔ اور شہر میں منادی پھروادی۔ کہ ہر ایک فقیر امیر عیش وعشرت کا دروازہ برس دن تک کھلا رکھے اور غم والم کا بند +

بکاؤلی چور کی تلاش میں

خُم خانۂ سخن کا ساقی اس پورانی شراب کو نئے پیالے میں یوں بھرتا ہے۔ کہ جب بکاؤلی نے جادو بھری آنکھ کھولی۔ اور خوابِ راحت سے چونکی۔ انگیا کرتی درست کرکے پیشواز ناز سے پہنی۔ کنگھی سے بالوں کو سنوارا۔ اور دوپٹا اوڑھا۔ پھر آہستہ آہستہ جھومتی اٹکھیلیوں سے حوض کی طرف چلی + ہر ہر قدم پر وہ گل اندام اپنے نقشِ قدم سے زمین کو پائیں باغ بناتی تھی۔ اور گردِ راہ سے چشمِ بلبل میں سُرمہ لگاتی تھی + جب حوض کے کنارے پر پہنچی۔ دستِ نگاریں سے گلاب اپنے رُخسار پر ڈالنے لگی۔ اور چہرے کا غبار کہ عنبر کی مانند تھا۔ دھو دھو کر گلاب میں ملانے۔ اور حوض کو جادو نظر چشمِ مست ناز سے دیکھنے بھالنے لگی۔ ناگاہ گلِ بکاؤلی کی جگہ پر نظر جا پڑی۔ ہر چند بغور وتامّل نگاہ کی کچھ اُس کا نشان نظر نہ آیا + تب سونے کی طرح اُس سیم تن کے مُنہ پر زردی چھائی۔ اور غنچے کے مانند سموم غم سے کُملائی + اتنے میں انگوٹھی پر آنکھ جا پڑی۔ حیرانی زیادہ بڑھی۔ گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگی۔ اور دل میں یوں کہنے لگی۔ یا الٰہی یہ خواب دیکھتی ہوں یا عالمِ طلسم ہا پھر بولی۔ اگر خواب ہوتا۔ تو علامتیں ظاہر نہ ہوتیں + پس اس صورت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کام انسان کا ہے۔ نہیں

دوسرے کی کیا طاقت۔ کہ اٹھارہ ہزار دیو کے ہاتھ سے بچ کر یہاں سلامت پہنچے۔ اور گل مقصود کو بے کھٹکے لے جائے۔ پھر جس وقت اپنی برہنگی کی حالت اُس کو یاد آتی دریائے شرم میں ڈوب جاتی اور یہ اشعار اپنے حسبِ حال پڑھتی ؎

اے چور تو اپنا نام بتلا — چوری کا سبب تمام بتلا
دُنیا میں نہیں ہے کوئی تجھ سا — انسان سے ہو نہ کام تیرا
ہے چور کو مال سے سروکار — تکتا ہے وہ سیم وزر کو اک بار
میں دیکھوں جو تیرے دستِ گلگوں — آنکھوں سے لگاؤں بلکہ چوموں
ہر جنس یہاں ادھر اُدھر تھی — پر اَور کہیں نظر تری تھی
سینے میں سُرنگ تو لگا کر — دل مفت میں لے گیا چُرا کر
جو نقد تھا اُس کو لے گیا ہے — صندوق فقط یہاں پڑا ہے

الغرض افسوس کرتی ہوئی حوض کے کنارے سے اُٹھ کر یاقوت کے مکان میں جا بیٹھی۔ اور پریوں کو بُلا کر اس بے خبری کی سزا ہر ایک کو دینے لگی۔ مگر یہ نہ سمجھی۔ کہ جس وقت تیر تقدیر چھوٹے۔ سپرِ تدبیر سے کوئی نہ روک سکے۔ تقدیر کے آگے کچھ تدبیر نہیں چلتی۔

پھر پریوں سے جھنجھلا کر کہنے لگی۔ اگر تم اپنی زندگی چاہتی ہو۔ تو میرے چور کو بجنسہ لا کر حاضر کرو۔

یہ سُن کر سات سو پریاں چار طرف تلاش کے واسطے ہل ہانکتی۔ کو دون پھاندتی دوڑیں۔ لیکن کہیں اُس بے نشان کا نشان کسی نے نہ پایا۔ سچ ہے۔ کہ بے نشان کا وہ نشان پائے۔ جو آپ کو بے نشان بنائے ؎

جو پیچھے گم شدہ کے کوئی جائے — کرے گم آپ کو جب اُس کو پائے

بکاؤلی۔ کہ دل اُس کا تیرِ عشق سے چھد گیا تھا۔ درد کی شدت سے بلبلاتی تھی۔

کمان کی طرح چلاتی تھی - آخر بیتابی کے مارے گوشہ چھوڑ کر رشتۂ شرم وحیا کو توڑ کر۔ چور کی تلاش میں کمر ہمت باندھ کر سر بصحرا نکلی + جہاں جاتی - اُسے کوئی نہ دیکھتا - اور وہ ہر ایک کو دیکھ کر پرکھتی اور جانچتی +

غرض اسی طرح پھرتے پھرتے پورب دیس میں جا نکلی - کہتے ہیں جب زین الملوک کے شہر میں وارد ہوئی - جس کوچہ و بازار میں دیکھتی - وہاں اسباب عیش کا مہیا پاتی ہر ایک دروازے پر خوشی کی نوبت بجتے دیکھی + یہ رنگ ڈھنگ دیکھ حیران ہو کر آخر آپ کو پندرہ سولہ برس کا ایک جوان شکیل دیدارو بنا کر کسی سے پوچھا - کہ اس شہر میں چھوٹے بڑے کی خوشی کا سبب اور خاص و عام کی شادی کا باعث کہ برخلاف خلاف آئینِ حکمت سے ہے کیا ہے ؟

اُس نے کہا کہ یہاں کا بادشاہ قضائے الٰہی سے اندھا ہو گیا تھا - اُس کے بیٹے مدت مدید کے بعد بہت سی مصیبت اور رنج اُٹھا کر گل بکاؤلی لائے - کہ بادشاہ کی آنکھیں روشن ہوئیں + جب ارشاد کیا - کہ برس دن تک اسی طرح سب اعلےٰ ادنےٰ اپنے دروازوں پر نوبت دھریں اور عیش کریں +

بکاؤلی نے یہ مژدۂ جاں بخش سُن کر کہا - الحمدللہ پائے طلب نے منزلِ مقصود پائی - محنت ٹھکانے لگی + یہ ملک اُسی فتنہ انگیز کا ہے - اغلب کہ وہ بھی ہاتھ آئے - اور خلش مٹ جائے + پھر دریا کے کنارے جا کر کپڑے اُتارے - پانی میں اُتری - نہا دھو کے راہ کی ماندگی اور کلفت کھو کر اور ایک جوان حسین بن کر - پوشاک مردانی پہن کر بادشاہی محلوں کی طرف متوجہ ہوئی + بازار میں ناز سے آہستہ آہستہ چلتی تھی جس طرف چشمِ سُرمہ سا اُٹھاتی - اُسے نقشِ پا کی طرح مٹاتی - اور جس دم تیغ ابرو یا خنجر مژگاں دکھاتی - اہلِ نظر کو بسمل کی طرح لٹاتی - اور جس وقت زُلفِ پر پیچ کو تاب دیتی - تماشائیوں کے دل کو پیچ و تاب میں لاتی + غرضکہ جو اُس کے سامنے آتا اُس کو سکتا

ہو جاتا +

آخر تمام شہر میں اُس کے حُسن و جمال کا غُل پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے بھی گوش گزار ہوا۔ چنانچہ حضور سے ارشاد ہوا۔ کہ اُس جوانِ رعنا کو ہمارے پاس لاؤ +

قصہ کوتاہ حضورِ اعلیٰ میں اُسے لے گئے۔ حضرت نے پوچھا۔ کہو کہاں سے آنا ہوا۔ اور تمہارا کیا نام ہے۔ کس واسطے آئے ہو؟ جوان نے عرض کی۔ کہ وطن تو غلام کا پچھم ہے۔ اور نام فرّخ۔ نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔ اب جہاں پناہ کے تفضلات سے اُمّید یہ ہے۔ کہ حضور کے ملازموں میں سرفراز ہوں۔ تا دعائے دولت میں بخاطر جمع مشغول رہوں + زین الملوک نے کہا۔ بہت بہتر حاضر رہو + اور خواصوں میں بعزت تمام سرفراز کیا۔ بلا قید کی پروانگی دی +

تھوڑے دن اُسے گزرے تھے کہ چاروں شاہزادے ایک روز بارگاہِ سلطانی میں آئے۔ بادشاہ نے شفقت سے ہر ایک کو چھاتی سے لگا کر سر اور آنکھیں چومیں۔ پھر کرسی پر بیٹھنے کو ارشاد کیا + وہ تسلیم کر کے بیٹھ گئے۔ بکاؤلی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا تم نہیں پہچانتے بادشاہ کے بیٹے ہیں۔ تب اس نے ایک ایک کے قیافے کے سونے کو امتحان کی کسوٹی پر کسا۔ لیکن کھرا نہ پایا۔ سراپا کھوٹا ہی نظر آیا + پوچھا۔ کہ بادشاہ کا کوئی اور بھی بیٹا ہے۔ جو ان کے ساتھ گل بکاؤلی لینے گیا تھا؟ اُس نے کہا اَور کوئی نہیں + جب اُس پر ثابت ہوا۔ کہ بادشاہ اَور کوئی بیٹا نہیں رکھتا۔ نہایت گھبرائی۔ اپنے طالع سے لڑنے لگی۔ اور اشعار پڑھنے لگی ؎

ارے بخت زبوں تو نے کیا کیا — یہ عقدہ کام میں کیوں میرے ڈالا؟
نہ کھولے ناخنِ تدبیر اُس کو — یہ وہ ہے کہتے ہیں تقدیر جس کو +

اگر دیکھے کوئی خواب پریشاں ۔ تو ہو تعبیر دینی اُس کی آساں
مگر میرا معما ہے یہ لاحل ۔ کسی مخلوق سے ہووے یہ کیا حل
کروں کیا خواب کی میں اپنی تقریر ۔ نہیں تعبیر ہے اُس کی یہ تعبیر

وہ کونسا عیار تھا جو اس باغ سے گُل لے گیا؟ میں نے اُس کی کس قدر جستجو کی۔ کیا کیا محنت اور مشقت کھینچی۔ بارے یہاں اُس گُل کا نشان ملا۔ ذرا میرا غنچۂ دل کھلا۔

نہیں کچھ شبہ بے شک میں نے جانا ۔ یہی ہے چور کا میرے ٹھکانا

لیکن فلک دغاباز نے میرا کھیل بگاڑا۔ آبادی کی صورت دکھلا اُجاڑا

کہاں جاؤں کروں اب کس سے فریاد ۔ نہیں بس کرتی ہوں میں واد بیداد

القصہ بکاؤلی نے اپنے دل میں ٹھہرایا۔ کہ البتہ بادشاہ کا کوئی اَور بھی بیٹا ہوگا۔ کیونکہ ان ناداں کے قیافے سے یہ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اس امر دشوار کی تحصیل ان سے ہوئی ہو۔ بہرحال چندے اَور بھی صبر کیا چاہئے۔ دیکھوں تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیا اُلٹی بات ہے۔ کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اُس کا مطلوب۔ لیکن نظر تحقیق سے جو غور کرے۔ تو سیدھی لگے۔ کیونکہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی نہو۔ اُس کی چاہت اکارت ہے۔ اور کوشش بے فائدہ۔ آتش طلب کی جو عاشق کے گریبان سے مشتعل ہے۔ فی التحقیق لگائی ہوئی معشوق کی ہے

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود ۔ گر نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

بات بڑھ گئی قلم کہتا ہے۔ اے شخص بس کر میں نے لکھنے میں بہت سی کوشش کی۔ اور ہاتھ اپنی سعی کے دعوے کرتے ہیں۔ کہ قلم سے کیا کیا ہم نے لکھا۔ بازو اپنے تردد کا دم مارتا ہے۔ کہ دست و قلم سے کیا ہوا۔ جو کچھ کیا سو میں نے کیا۔ غرض اُسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے۔ اور ایک کو ایک پر فوقیت ہوتی گئی۔ دفعتاً

ایک ایسا سبب پایا گیا۔ کہ وہ محتاج کسی کا نہ تھا + پس اے عزیز اگر تو بتادے۔ کہ فی الحقیقت ملنے میں کس کی سعی ہے۔ اور ظاہر میں کس کی۔ تو میں بھی عاشق اور معشوق کی سعی کا جواب دوں +

حمالہ کی امداد

جب تاج الملوک سے اُن ناعاقبت اندیشوں نے گل بکاؤلی چھین لیا۔ وہ بے چارہ دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا + مثل ہے۔ کہ قہر درویش برجانِ درویش۔ پھر کج فہموں کے پیچھے پیچھے بعد چند روز کے اپنے باپ کی سرحد میں ایک جنگل جو درندوں کا مسکن تھا۔ اُس میں جا پہنچا۔ اور چقماق سے آگ جھاڑ کر حمالہ کے دئے ہوئے بال کو اُس پر رکھ دیا + چوتھائی بھی نہ جلا ہوگا۔ کہ اٹھارہ ہزار دیوؤں سمیت آپہنچی۔ اور تاج الملوک کو فقیروں کے بھیس میں دیکھ کر آگ ہوگئی۔ کہ اے شاہزادے میری بیٹی کو کیا کیا اور تو نے اپنا حال کیا بنایا؟

تاج الملوک بولا۔ کہ آپ کی توجہ سے سب خیریت ہے۔ لیکن ایک کام مجھے نہایت ضروری ہے۔ اور اُس کی تدبیر مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے آپ کو تصدیع دی ہے + حمالہ نے کہا اے عیار باتیں نہ بنا۔ وہ کونسا کام ہے کہیں جلد ہی کہہ؟ تاج الملوک نے عرض کیا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ اس جنگل میں ایک محل اور باغ کہ ہو بہو بکاؤلی کے قصر اور باغ سا بناؤں۔ تم جس طرح سے جانو بنوادو + وہ بولی اے بیٹا یہ کتنی بڑی بات ہے۔ مگر میں نے تو اُس کے باغ اور عمارت کو دیکھا نہیں۔ بھلا بن دیکھے مکان کا نقشا کس طرح بناؤں اور بنوادوں؟

تاج الملوک بولا جس طرح میں کہوں۔ اُسی طرح بنوادو +

حمالہ نے اسی وقت کئی سو دیو لعلِ بدخشانی کے واسطے۔ اور سیکڑوں عقیق یمانی

کے لئے۔ اور ہزاروں سونے روپے اور جواہرات بیش قیمت کے واسطے ہر چہار طرف بھیجے + دیوؤں نے تین روز کے عرصے میں جواہرات وغیرہ کے جا بجا تودے لگا دئے۔ پھر شاہزادہ جس طرح بتانے لگا۔ اُسی طرح وہ بنانے لگے + پہلے تو دو دو نیزے مٹی کھود کر پھینک دی۔ اور وہاں زر خالص بھر دیا۔ اور اُسی قطعۂ طلائی پر جڑاؤ عمارتوں کی بنا ڈالی + غرض تھوڑے دنوں میں ویسا ہی قصر اور اُسی طرح کا باغ جواہرنگار۔ جڑاؤ نہریں درختوں سمیت اور زبرجد اور یاقوت کے دو دالان عالی شان آمنے سامنے۔ بیچ میں اُن کے ایک حوض مرصع اُسی قطعے کا۔ گلاب سے معمور بنایا + پھر ہر ایک مکان میں فرش اُسی رنگ کا بچھایا۔ حاصل یہ ہے۔ کہ جتنا جواہر سونا روپا دیو لائے تھے۔ اُس میں سے آدھا مکانات کے بنانے میں خرچ ہوا۔ چوتھائی کارخانہ جات کی تیاری کو دیا۔ باقی خزانے میں داخل کیا +

جب عمارت سب بن چکی۔ اور تاج الملوک کے پسند پڑی۔ تب حمالہ نے اُس سے کہا۔ کہ تو یہ بھی جانتا ہے۔ کہ میں نے تیرے واسطے کس قدر رنج اُٹھایا۔ دُکھ سہا۔ اس کے سوا دیوؤں کو آدمیوں سے کمال مخالفت ہے۔ برعکس میں نے تجھ سے محبت کی۔ اور کس شفقت سے پالا اور پرورش کیا۔ علاوہ اس کے بکاؤلی کے ملک میں کہ آج تک کوئی نہیں گیا تجھے پہنچایا۔ پھر بسبب اس حرکت کے کہ جو تجھ سے وہاں ہوئی۔ اُس کے ہاتھ سے میں نے کیا کیا صعوبت اور زحمت اُٹھائی۔ سو یہ محمودہ جان کی خاطر ہے۔ ایسا نہو کہ اُس کا دامن ہوائے روزگار سے غبار آلودہ ہو۔ یہ کہہ کر رخصت ہوئی +

اُس کے بعد جس مقام میں محمودہ اور دلبر کو استقامت کے لئے فرمایا تھا۔ اُسی طرف شاہزادہ بڑے ٹھاٹھ سے گیا۔ اور اُن کو جڑاؤ عماری میں سوار کیا۔ پیچھے پیچھے

خواصوں کے محافے۔ رتھیں جس پر کارچوبی سلطانی بانات کے پردے پڑے ہوئے۔ آگے آگے غلام۔ خوش پوشاک سونے روپے کے عصے ہاتھوں میں لیئے۔ گھوڑوں پر سوار۔ اہتمام کرتے ہوئے + غرض اسی تجمل سے اس قصر عالی میں دونوں کو داخل کیا۔ اور عیش وعشرت سے اوقات بسر کرنے لگا +

ملک نگارین

معمار سرائے اس سخن کا خانہ داستان کی بنا کا حال اس طرح کہتا ہے۔ کہ تاج الملوک کے غلاموں میں ساعد نام اُس بیابان میں سیر کرتا پھرتا تھا۔ ناگاہ اُس کی نگاہ کئی لکڑہاروں پر کہ لکڑیوں کے بوجھے لیئے جاتے تھے جا پڑی + اُس نے پوچھا تم کون ہو۔ اور یہ لکڑیاں کہاں لیئے جاتے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم شرقستان کے لکڑہارے ہیں۔ یہی ہمارا کسب ہے۔ اسی سے ہمارے لڑکے بالے جیتے ہیں۔ دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں + اُس نے کہا کہ آج تم یہ گٹھے میرے آقا کے باورچی خانے میں لے چلو۔ دولتخانہ اس کا نزدیک ہے۔ اُس نے اس ویرانے میں ایک شہر آباد کیا ہے۔ اچھی قیمت ملے گی۔ بلکہ ایسا انعام پاؤ گے۔ کہ پھر کہیں اور لکڑیاں بیچنے نہ جاؤ گے + اُنھوں نے کہا کہ ہماری تمام عمر اسی کام میں اور اسی بیابان سے لکڑی لے جاتے گزری۔ لیکن آبادی کا یہاں نشان نہ دیکھا نہ سُنا + ساعد نے کہا۔ ذرا تم آگے بڑھ کر دیکھو۔ اگر میرے کہنے کا کچھ اثر ظاہر ہو۔ تو بہتر۔ نہیں تو تمہارے پھر آنے کا کوئی مانع نہ ہوگا + لکڑہارے انعام کے لالچ سے ساعد کے آگے ہو لیئے۔ پھر تھوڑی سی دُور جا کر سب ایک بارگی پُکار اُٹھے۔ کہ نعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اے میاں تم ہم کو آگ میں جھونکنے کو لیئے جاتے ہو۔ چولھے میں جائے انعام اور بھاڑ میں پڑے اکرام۔ بس ہمیں معاف کرو۔ ہم نے بھر پایا + ساعد نے کہا۔ یہ شعلۂ

آتش نہیں۔ حویلی کے جواہرات کی چمک ہے۔ تم ہرگز اندیشہ نہ کرو۔ اور میرے ساتھ چلے آؤ۔

وہ اُس کے کہنے سے کچھ اَور بھی بڑھے۔ آگے ساری زمین سونے کی نظر آئی۔ سب نے اُس کی بات سچی پائی۔ قدم اُٹھائے بے دھڑک چلے۔ آخر وہ حضور میں اُن کو لے گیا۔ تاج الملوک نے ایک ایک تھان بیش قیمت ہر ایک کو دے کر رُخصت کیا۔ اور فرمایا۔ اگر تم یہاں آیا کرو۔ تو اس سے دونا ہر روز پایا کرو۔ لکڑہاروں نے جب پہلے دن ایسا انعام پایا۔ اور آئندہ اُمید بندھی۔ اپنا وطن چھوڑ کر ہر ایک وہاں آرہا۔

یہ خبر اُن کے ہمسائے میں پھیلی۔ اور جابجا منتشر ہوئی۔ غرض جو کوئی شہر دیکھنے کو جاتا۔ ہرگز وہاں سے پھر کر گھر نہ آتا۔ اور وہیں رہتا۔ اور کوتوال شرقستان کا رعیت کے بھاگنے کی خبر روز وزیر کے حضور میں کہتا۔ چنانچہ ایک دن اُس نے خبر دی۔ کہ آج کی رات ہزار گھر اہلِ حرفہ کے خالی ہوئے۔ اور وہ بھاگ گئے۔ وزیر نے کہا۔ کچھ یہ بھی تو جانتا ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں؟ تب وہ بولا۔ کہ غلام نے سُنا ہے۔ کہ کسی نے درندوں کے جنگل میں دس کوس تک سونے کی زمین بنا کر اُس پر اس طرح کا شہر آباد کیا ہے۔ اور ایک قصر اور باغ بھی جواہر کا ایسا بنایا ہے۔ کہ روئے زمین پر ویسا دوسرا نہیں۔ جو دیکھتا یہ مطلع پڑھتا ہے

اگر فردوس بر روئے زمین ست ۔ ہمین ست وہمین ست وہمین ست

اور اُس کے دریائے سخاوت کی لہر دُور نہیں کہ نام حاتم طائی کا آبجوئے زمانہ سے لے جائے۔ اور پانی بحرِ عدالت کا بعید نہیں۔ کہ نقش دلِ نوشیرواں کا لوحِ جہان سے مٹائے۔

وزیر نے اس بات کو باور نہ کیا۔ کہا کہ جو کام کہ طاقتِ بشری سے باہر ہو

انسان کی کیا مجال کہ کر سکے + کوتوال نے مکرر عرض کیا۔کہ متواتر خبر پہنچی ہے جھوٹ کیونکر ہوگی + وزیر نے کہا۔اسواسطے تجھ کو لازم ہے کہ پہلے تو جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھ آ۔ پھر عرض کر +

آخر کو توال نے وزیر سے رخصت لے کر ملکِ نگارین کی راہ لی جب تھوڑی سی راہ طے ہوئی۔ ہراول پکار اُٹھا۔اس جنگل میں ایسی آگ لگ رہی ہے۔کہ اُس کے شعلے آسمان تک پہنچتے ہیں + اتنے میں سواری کچھ اَور آگے بڑھی سونے کی زمین نظر آئی۔اور جڑاؤ عمارت + جب ظاہر ہوا۔کہ جس پر آتش کا گمان کیا تھا۔وہ یہی ہے۔شعلے نہ تھے۔وہ اُس کی چمک تھی +

اتنے میں جو کوتوال کے آنے کی خبر سُنی۔ فرمایا۔کہ حوضوں کو بھرو۔فوارے چھوڑ دو۔اور اُسے یاقوت کے دالان میں بٹھاؤ + حسب الحکم کوتوال کو حویلی میں لے گئے۔وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا۔جھلکاہٹ سے جواہرات کی چکاچوند لگ جاتی تھی۔بعد ایک ساعت کے تاج الملوک نے بھی تختِ شوکت کو زیب و زینت بخشی۔کوتوال اُٹھ کر آداب بجالایا۔اور دعا و ثنا کے بعد عرض کرنے لگا۔ جب حضرت کے مکان بنانے اور ملک بسانے کی اس جنگل میں خبر شرقستان کے بادشاہ کی جناب میں پہنچی۔تب اس خانہ زاد کو تحقیقات حال کے لیے بھیجا ہے۔ گستاخی معاف۔اگر آپ کے دل میں خواہش سلطنت کی اور ارادہ فساد کا ہو۔تو اُدھر سے بھی کچھ درنگ نہیں۔ والا طوق بندگی کا گلے میں ڈال کر بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہو جیے۔کیونکہ دو تلواریں ایک میان میں نہیں رہتیں۔اور نہ دو بادشاہ ایک ولایت میں +

تاج الملوک یہ سُن کر بولا۔ میں نے تو اس حیوانات کے وطن میں ایک عبادت گاہ بنائی ہے۔ حق تعالےٰ کی بندگی میں مشغول رہتا ہوں۔خواہش بادشاہی کی مطلقاً

نہیں۔ بلکہ دعوائے دولت خواہی ہے +

کوتوال نے جو یہ کلمے شائستہ سُنے۔ خوشی خوشی رخصت ہُوا۔ اور جو کہ دیکھا سُنا تھا۔ وزیر سے مفصّل کہا + وہ سُن کر ایک لمحہ تو بحرِ تفکّر میں ڈوبا رہا۔ پھر بادشاہ کے حضور میں جا۔ جو کیفیت سُنی تھی۔ عرض کی + بعضوں نے تو سچ جانا۔ اور کتنوں نے جھوٹ سمجھ نہ مانا +

بکاؤلی کہ زین الملوک کی خدمت میں حاضر تھی۔ یہ بات سُن کر دل میں کہنے لگی۔ الحمد للہ اتنی مدّت کے بعد عقدۂ بستہ کی صورت کشائش اور شبِ نا اُمیدی کے بعد صبح آسائش ہونے کی نظر آئی ؎

طپش دل نے خبر یار کے آنے کی دی ۔ خوش ہوا چشم کہ یہ رمز منافوا نہیں +

بادشاہ بھی ماجرے کو وزیر سے سُن کر ایک ساعت گریبانِ تفکّر میں سر ڈالے رہا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اگر یہی صورت ہے۔ تو ایک نہ ایک دن زوالِ سلطنت کا موجب ہوگا + وزیر نے آداب بجا لا کر عرض کیا۔ کہ عقلمندوں نے کہا ہے۔ جس دُشمن سے لڑائی میں بر نہ آسکے۔ اُس سے وارد مدارا کر کے مل جائے ؎

خوشی سے برآمد جو ہو کام کی ۔ تو کیجے نہ تُندی نہ گردن کشی +

اب تدبیر یہ ہے۔ کہ قبلۂ عالم اُس سے اخلاص بڑھا دیں۔ اور رشتہ محبّت کا اُس کی گردن میں ڈالیں + بادشاہ نے فرمایا تیرے سوا اور کسی کو اس بات کے لائق نہیں دیکھتا ہوں۔ تو ہی وہاں جا۔ اور رابطہ اُس سے بہم پہنچا۔ لیکن وہ کام کیجیو۔ کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ یعنی میری شان نہ گھٹے۔ اور اخلاص بڑھے +

وزیر خجستہ تدبیر موجب حکم کے بڑے کر و فر سے روانہ ہوا + جب تاج الملوک کو اُس کے آنے کی خبر پہنچی۔ ارشاد کیا۔ کہ فرش فروش کی تیاری نئے سرے سے کریں۔ حوضوں کا گلاب بدلوائیں۔ فوّارے چھوڑوائیں۔ اور اُس کو لعل بدخشانی کے

دالان میں بٹھائیں +

جب وہ آیا اہل کار اُسی طرح عمل میں لائے۔ شاہزادہ آپ بھی وہاں رونق افزا ہوا۔ اور ایک جڑاؤ کرسی پر بیٹھا۔ وزیر نے اُٹھ کر مجرا کیا۔ دعائیں دیں۔ پھر التماس کیا۔ آگے اس سے ایک بادشاہی بندہ حضور میں حاضر ہوا تھا۔ اور اُس نے آپ کا پیام محبت انجام حضور معلےٰ میں پُہنچایا۔ اوصاف پسندیدہ بھی بہت سے بیان کیئے + بادشاہ کی آتشِ غضب کو سرد کر دیا۔ بلکہ قبلۂ عالم کو حضرت کی ملاقات کا مشتاق کیا۔ اس سے کیا بہتر ہے۔ کہ دو چشمے فیض وعطا کے اور دو دریا جود وسخا کے باہم ملیں + تاج الملوک نے کہا۔ جو پیام میری طرف سے لازم تھا۔ حضرت جہاں پناہ کی طرف سے آیا۔ بسروچشم مجھے قبول ہے۔ میری بھی آرزو یہی تھی۔ پھر وزیر نے عرض کی انشاءاللہ بعد ایک ہفتے کے حضرت عالم پناہ یہاں رونق بخش ہونگے + پھر خاصہ یاد فرمایا۔ بکاؤل رنگ برنگ کا طعام لذیذ اور خوش گوار۔ جواہر نگار باسنوں میں نکلواکر چاندی سونے کے خوانوں میں لگا کر نعمت خانے میں لایا۔ اور دسترخوان زربفت کا بچھوا کر کھانا چن دیا + شاہزادے نے وزیر کے ساتھ نوش جان فرمایا۔ اُس کے بعد ارشاد کیا۔ کہ وزیر کے ہمراہیوں کو بھی تقسیم کرو۔ لیکن ظروف نقرئی اور طلائی پھیر نہ لیجیو +

جب لوگوں کو کھانے سے فراغت ہوئی۔ وزیر رخصت ہو کر شرقستان کو روانہ ہوا۔ شتاب حضور والا میں پُہنچا۔ تمام ماجرا مفصّل ظاہر کیا +

زین الملوک کا استقبال

کہتے ہیں اُنہیں دنوں میں تاج الملوک نے ایک رات حمالہ کے سر کا بال آگ پر رکھا۔ وہ اُسی دم ہزاروں دیوؤں سمیت وہاں آپہنچی تاج الملوک

اور محمودہ نے اُٹھ کر سلام کیا۔ اُس نے دونوں کی بلائیں لیں۔ چھاتی سے لگایا۔ ماتھا چوما۔ خیر و عافیت پوچھی + تاج الملوک نے کہا۔ آپ کی سلامتی میں سب طرح کا چین و آرام میسر ہے۔ کچھ غم نہیں۔ اور کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن کل ضیافت بادشاہ شرقستان کی مقرر ہوئی ہے۔ وہ یہاں تشریف لائیں گے۔ میری خواہش یہی ہے۔ کہ اس سرزمین سے اُن کے شہر تک فرش باناتی اور مخمل سُرخ اور سبز کا بچھوادو اور کوس کوس بھر پر خیمے قاقم اور سنجاب کے طنابیں کلابتونی۔ پردے دیبا اور اطلس کے۔ چوبیں گنگاجمنی اور میخیں طلائی و نقرئی ہوں۔ استادہ کرادو + مگر اس افراط سے ہوں کہ بادشاہ کے ہر ایک چھوٹے بڑے امیر کو جُدا جُدا آرام گاہ میسّر ہو۔ کہ مخلّے بالطبع رہے +

حمالہ نے دیوؤں کو حکم کیا۔ اُنہوں نے تمام رات میں ویسی ہی تیاری کر دی۔ اور آپ اپنے مُلک کی راہ لی +

صبح کے وقت شرقستان کے بادشاہ نے بموجب اقرار اپنے وزیروں اور امیروں کو حکم کیا۔ کہ بھاری بھاری زرق برق کی پوشاکیں اور کئی ہزار سواروں کا پرا لباس گوناگوں اور ہتیار بوقلموں سے آراستہ ہوکر داہنی طرف رہے۔ اور ایسا ہی سجا سجایا بائیں طرف۔ اور ایک غول سواروں کا مسلّح اونچی بنا ہوا آگے اور ہاتھیوں کا حلقہ سُنہرے روپہلے ہودے اور عماریوں سے پیچھے + ہر نوجوان نشان بادلے کا چمکتا ہوا ہاتھ میں لے کر چُست ہوا۔ ٹھاٹھ سواری کا درست ہوا۔ القصہ اس ہیئت سے سواری کے سامان ہوئے۔ جہاں پناہ ایک جڑاؤ عماری میں سوار ہوئے۔ اور بکاؤلی مردانہ لباس نہایت پُرتکلف اور جواہر پہن کر کمر آرزو محکم باندھ کر خواصی میں آبیٹھی + چاروں شاہزادے بھی خلعتِ شاہانہ زیبِ بدن کر کے زرق برق سے اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہوئے۔ پھر سواری تاج الملوک کے ملک کو روانہ ہوئی +

زین الملوک شہر سے کوس بھر آگے گیا ہوگا۔ کہ ناگاہ زری کے خیموں کی چمک مانند شعاع آفتاب کے نظر آئی۔ بولا اغلب ہے۔ کہ یہ وہی مکان ہوں۔ جن پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ اور آنکھ جھپکی جاتی ہے + وزیر نے عرض کی کہ ایں گل دیگر شگفت۔ حضرت رات کی رات میں کچھ کا کچھ رنگ بدل گیا۔ یہاں فقط جنگل تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ کے سوا غلام نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ دم مارنے کی جگہ نہیں۔ قادر کریم نے ایک مخلوق کو ایسی قدرت دی ہے۔ کہ اُس کی صفت کی کنہ صاحبان خرد کو دریافت نہیں ہوسکتی۔ اُن کی عقل وادی حیرت میں بھٹکتی ہے۔ ملک نگاریں بہت دُور ہے۔ اُس عجائب روزگار نے یہ تماشا دکھایا ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرمائیے +

بادشاہ وزیر انھیں باتوں میں تھے۔ کہ اُس کے ملازموں سے ایک شخص نے آکر عرض کی۔ ہمارے آقا کا حکم یوں ہے۔ کہ عالم پناہ کی سواری جس جگہ سے آگے بڑھے۔ وہاں کا اسباب وغیرہ غریب و غربا لوٹ لیں۔ اور خود بدولت ہر ایک منزل میں جس خیمے کو پسند کریں۔ اُس میں استراحت فرمائیں +

چنانچہ بادشاہ جس جگہ تشریف لاتے۔ اسباب ضیافت کا جو روئے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہ تھا۔ وہ مہیّا پاتے + غرض جس قدر سواری آگے بڑھتی جاتی تھی اُسی قدر اسباب کی زیادتی نظر آتی تھی۔ اور عجائب سے طبیعت بیشتر حظ اُٹھاتی تھی +

تاج الملوک آپ بھی ایک منزل استقبال کے لئے آیا۔ اور سارے لوازم آداب بجالایا۔ آخر بادشاہ کے ساتھ کمال خوشی اور خرمی سے اپنے قصر مبارک میں داخل ہوا۔ حضرت کو زمرد کے مکان میں اعزاز و اکرام سے بٹھایا۔ اور مکانوں کو آراستہ کیا۔ جابجا نئے نئے فرش بچھ گئے۔ گلاب کے حوضوں میں فوارے چھوٹنے لگے + بادشاہ راہ کے عجائبات سے متعجب ہو رہے تھے۔ عمارت اور باغ کی ساخت اور تیاری ملاحظہ فرما کے بیخودی میں آگئے۔ بکاؤلی بھی شاہزادے کا جمال و کمال دیکھ کر

دیوانی ہوگئی۔ ہوش سے جاتی رہی سچ ہے ؎

جس دم کمان ابرو کوئی تیر کرشمہ چھوڑ دے ۔ سارے دلوں کو چھوڑ دے عاشق کے دل کو توڑ دے +

یک لمحے کے بعد چیتی ہر طرف آنکھوں کو کھول کر دیکھنے لگی + جس مکان پر نظر پڑی اُس کا نقشہ اور جواہر اپنے مکانوں سا دیکھا ۔ متحیر ہو کر جی میں کہنے لگی ۔ یہ کوئی بڑا جادوگر ہے ۔ کہ میری عمارت کو معلق یہاں اُٹھا لایا ہے ۔ اور اس جنگل کو عالمِ طلسم بنایا ہے + ایک پری جو اُس کے ساتھ خدمتگار رہی ہیں آدمیوں کے بھیس میں تھی ۔ اُسے اشارہ کیا ۔ کہ نظر غور سے دیکھ ۔ اور بخوبی دریافت کر ۔ یہ کیا ماجرا ہے ! اُس نے متامل ہو کر عرض کی ۔ آپ کے مکان جہاں تھے ۔ وہیں ہیں ۔ اندیشہ نہ کیجئے ۔ یہ نئی عمارت ہے ۔ اس شخص نے یہ کام کیا ہے ۔ کہ ایسی نقل بنوائی ہے ۔ کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا ہر ایک کا کام نہیں + آفریں اس کی چترائی اور دانائی کو + یہ سُن کر بکاؤلی بہت خوش ہوئی ۔ کہ چور میں نے پکڑا ۔ اور مال اپنا پایا ۔ چاہتی تھی ۔ کہ اُسی وقت افشائے راز کرے ۔ اور پردہ درمیان سے اُٹھا دے ۔ لیکن حیا مانع ہوئی ۔ جبرًا و قہرًا قدم صبر و توکل کا گاڑے رہی +

القصہ دسترخوان بچھا ۔ اور طرح طرح کا کھانا سونے روپے کے باسنوں میں چُن دیا ۔ اُس کی حلاوت کی تعریف کیونکر کیجئے ۔ کہ زبان قلم کی بند ہوئی جاتی ہے ۔ اور اس خوان کافوری کا غذ میں نہیں سماتی + حضرت اہلِ خدمت کے سلیقے اور اہلکاروں کے طریقے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے ۔ خاصہ فرزندوں اور مصاحبوں سمیت خوشی خوشی نوش جان فرمایا ۔ اتنے میں اربابِ نشاط حاضر ہوئے ۔ صحبت راگ و رنگ کی دیر تک رہی ؎

مطربوں کی ہوئی بلند صدا ۔ ماہ پیکر لگے دکھانے ادا +
گل نغمہ گئے سراسر بھول ۔ دف و نے کام میں ہوئے مشغول +

بچھڑے ملے

القصہ اس کے بعد بادشاہ اور تاج الملوک اختلاط کرنے لگے ۔ اور باتوں میں

مشغول ہوئے۔ شاہزادے نے پوچھا کہ آپ کے فرزند کے ہیں؟ حضرت نے چاروں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے سوا اب کوئی نہیں۔ ایک اور بھی تھا۔ اُس کے دیدار نحس کی بدولت یہ بلائے ناگہاں مجھ پر نازل ہوئی تھی قضائے الٰہی سے میں نے نجات پائی۔ اور وہ اسی حالت میں خدا جانے کہاں نکل گیا ÷

تاج الملوک نے یہ سُن کر کہا۔ کہ کس سبب سے اس درگاہ عالی کو چھوڑا۔ اور اس در دولت سے مُنہ موڑا؟ کوئی اس مجلس میں اُسے پہچانتا ہے۔ یا نہیں؟

یہ سُن کر زین الملوک نے اُس کی پیدائش اور اپنی نابینائی کا ماجرا اُس سے آخر تک ظاہر کیا۔ پھر ایک امیر کی طرف جو اُس کا اتالیق تھا اشارت کی۔ کہ اس کے سوا کوئی اُس کی صورت سے واقف نہیں۔ شاہزادہ اُس کی طرف مخاطب ہوا۔ کہ دیکھو تو اس مجلس میں کوئی اُس کی شکل کے مشابہ ہے یا نہیں؟ اس جہاں دیدہ نے شاہزادہ کا نقشہ اور گفتگو کا روتیہ بغور ملاحظہ کر کے عرض کی۔ کہ اتنے میں کسی کو اُس شاہزادے کی صورت اور شکل کے موافق نہیں دیکھا۔ مگر چہرۂ مبارک میں اکثر اُس کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ اور بول چال کی وضع بھی بہت ملتی ہے۔ سُنتے ہی اس کلام کو تاج الملوک اُٹھ کر باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض کی۔ کہ میں وہی ناخلف ہوں۔ جو اتنی مدت تک نحوست ایام اور طالع ناکام کے باعث سرگرداں اور اس درگاہ سے محروم رہا شکر ہے۔ کہ دیدار مبارک جس طرح سے جی چاہتا تھا اُسی طرح دیکھا۔ اور قدم بوسی کی جس وضع سے آرزو تھی۔ بر آئی ÷

زین الملوک نے یہ گفتگو سُن کر مارے خوشی کے شاہزادے کو چھاتی سے لگایا۔ سر اور آنکھیں چومیں سجدۂ شکر الٰہی بجالایا۔ پھر بیٹے سے کہنے لگا۔ یہ حشمت اقبال کہ ایزد متعال نے تم کو بخشا ہے۔ ہم کو پہلے ہی اس کا حال تمہارے روز تولد کے

زائچے سے معلوم ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ چہرۂ مقصود کو آئینۂ ظہور میں حسب دل خواہ دیکھا بارے آنکھوں میں روشنی دوچند ہوئی۔ یہ کہو کہ آج تک کہاں تھے۔ اور سروِ آزاد ہو یا کسی شمشاد قد سے پیوند کیا ہے؟

شاہزادہ بولا کہ غلام کی دو منکوحہ ہیں۔ اگر حکم ہو باریاب ہوں۔ اور قدم بوسی حاصل کریں + حضرت نے فرمایا اس سے کیا بہتر + شاہزادہ محل میں جاکر دلبر اور محمودہ کو بادشاہ کی خدمت میں لایا۔ دونوں پری پیکر اُس مکان کے قریب آکر ٹھٹھک رہیں۔ تب زین الملوک نے کہا۔ کہ یہاں کیوں نہیں آتیں۔ جو ان کے دیدار فرحت آثار سے میں نرگس چشم کو منور کروں۔ اور سینے کو سرور سے بھروں؟

تاج الملوک نے التماس کیا۔ کہ آپ کی یہ لونڈیاں حیا سے نہیں آتی ہیں۔ کہ چاروں شاہزادے ان کے بندۂ آزاد ہیں۔ چنانچہ ان کی مہر سے ان پر داغ موجود ہیں۔ مزاج چاہے تو حضرت بھی ملاحظہ فرمائیں +

اس راز کے کھلنے سے چاروں کے منہ کا رنگ اُڑ گیا۔ شرمندہ ہو کر وہاں سے اُٹھ گئے + تب وہ دونوں آکر قدم بوس ہوئیں۔ پھر زین الملوک نے تمام سرگزشت ایامِ جدائی کی اور دلبر اور محمودہ جان کا احوال استفسار کیا + شاہزادے نے بھی شدائدِ سفر اور محنتِ بیابان کی۔ اور احوال بھائیوں کے داغ کھانے کا دلبر کے ہاتھ سے۔ اور مروّت حمّالہ کی اور بیاہنا محمودہ کا۔ لینا گل بکاؤلی کے حوض سے اور بکاؤلی کے دیکھنے کی کیفیت خواب کی حالت ہیں۔ اور گل مذکور چھین لینا بھائیوں کا اور بنانا باغ اور حویلی کا بیابان میں مفصل ظاہر کیا +

اتنے میں بادشاہ کو تاج الملوک کی ماں یاد آگئی۔ بولے کہ تم نے تو میری آنکھیں گل بکاؤلی سے روشن کیں۔ اور اپنے دیدار سے دروازہ سرور کا دلِ غمناک کے آگے کھول دیا۔ اب مجھ کو بھی لازم ہے۔ کہ اُس دردِ انتظار کی ماری تمہاری ماں کو

یہ مژدہ جاں بخش سناؤں۔ اور اُس مبتلائے رنجِ فراق اور تشنۂ دیدار تمہارے آنے کی خوش خبری کا شربت پلاؤں ؛

یہ کہہ بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور قلعۂ مبارک میں تشریف لاکر تاج الملوک کی ماں کے پاس گئے۔ اور ایام گزشتہ کی بدسلوکیوں کا بہت سا عذر کیا۔ آگے سے زیادہ سرفراز کیا۔ اور بیٹے کے آنے کا مژدہ دیا ؛

اے عزیز تیری عزت بادشاہ کے دربار میں تیری خدمت کے موافق ہوگی۔ چاہیئے کہ شاہزادے کے مانند کار شائستہ کرے۔ تو تیری محنت شاہ کے دل میں مؤثر ہو۔ اور پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے۔ بلکہ بیباکانہ آپ ہی تیرے پاس چلا آئے۔ اور بے اختیار تیرا سر اپنی چھاتی سے لگائے۔ اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہ ہو۔ لیکن آخر کار اُسی مقام میں آپ کو پہنچائے۔ کہ وہاں تیرا کوئی شریک نہ ہو سکے۔ پھر ایسا کام نہ کیجیو۔ کہ شاہزادوں کے مانند داغِ لعنت اُٹھائے۔ اور کس و ناکس کے روبرو رسوا ہو ؛

نامہ و پیام

زین الملوک جب اپنی دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ بکاؤلی اُس سے رخصت ہو کر اپنے باغ میں آئی۔ اور ایک اشتیاق نامہ تاج الملوک کے لیئے لکھا پھر اُس کو تاج الملوک کی انگوٹھی سمیت سمن رو پری کو کہ خفیہ اُس کے ساتھ گئی تھی۔ حوالے کیا۔ اور کہا جلد جا۔ جس وقت شاہزادے کو کاروبارِ دنیا سے فارغ اور تنہا پائیو۔ ان دونوں کو اُس کے ہاتھ میں دیجیو ؛

وہ اُڑنا گن ہے کر اُسی وقت اُڑی۔ ایک دم میں تاج الملوک کے محل میں آپہنچی۔ اور کسی طرف گھات میں لگ رہی۔ جب تاج الملوک بکاؤلی کے دھیان میں

اکیلے مکان میں آ بیٹھا۔ یہ اُس کے روبرو جاکر آداب بجالائی۔ اور وہ امانت حوالے کی۔ شاہزادے نے انگوٹھی پہچانی۔ اور خط کھول کر پڑھا۔ مضمون یہ تھا +

نامہ گل بکاؤلی

سخن ابتدا کر بنامِ خدا۔ کہ ہے وہ مبرا ز چون وچرا +
ستاروں سے روشن کیا آسماں۔ کئے جن وانساں زمیں پر عیاں +
جمال اور کرشمے پری کو دئے۔ جلایا دلِ آدمی عشق سے +
پری پہ دیا پھر اُسی کو شرف۔ کیا تیرِ اُلفت کا اُس کو ہدف +
ذرا اپنے پرتو کو لیلی پہ ڈال۔ ہؤا قیس خود بن کے محوِ جمال +
عیاں حسن کو بن کے شیریں کیا۔ وہی بن کے فرہاد شیدا ہوا +
ہے مہر اُس کے جلوے کی ادنےٰ ضیا۔ اُسی پر ہے بیتاب ذرّہ سدا +
چراغِ محبّت کو روشن کیا۔ شعور اُس پہ پروانہ ہو کے جلا +
ہے بعد اس کے میرا سلام وپیام۔ تجھے اے شہِ خوب رو نیک نام +
ترے چشم وابرو نے اے شوخ وشنگ۔ لگائے مرے دل پہ لاکھوں خدنگ +
اور اُس زلفِ پُرخم نے اے گل عذار۔ کیا مثلِ قمری مجھے طوق دار +
کیا ہے دل وجاں کو خوں عشق نے۔ جلایا درون وبروں عشق نے +
مگر یہ سخن ہے غلط مشتہر۔ کہ اک دل کو ہے دوسرے کی خبر +
میں جلتی ہوں تجھ کو خبر کچھ نہیں۔ مرے سوزِ دل میں اثر کچھ نہیں +
ترے ہجر میں غم کدہ ہے یہ گھر۔ اگر تو نہ ہو خلد بھی ہے سقر +
کیا دل ترے غم نے ایسا فگار۔ ہوئے ایک ٹکڑے کے ٹکڑے ہزار +
ترے غم میں جی سے گزر جاؤں گی۔ اگر تو نہ پہنچا تو مر جاؤں گی +

وہ لے ہیں جو اُٹھوں گی روز جزا ۔ تو ہونگے ترے لعلِ لب خوں بہا ✤
جواب اُس کا پھر دے گا کیا تو مجھے ۔ جو پوچھوں گی کاہے کو مارا مجھے ✤
نہ بول آ گئے بس اے زبانِ قلم ۔ دُکھانے کو دل کے نہیں یہ بھی کم ✤

غرض تاج الملوک نے مضمون نامے کا ۔ کہ ہر نقطہ بھرا ہوُا شوق سے اور ہر حرف پُر ذوق سے تھا ۔ دریافت کیا ۔ عشق کی آگ کہ سینے میں دبی ہوئی تھی بھڑکی سیماب کے مانند بے تاب ہو کر تڑپنے لگا ۔ آخرش دل کی بے قراری کو تھانبا ۔ چار ناچار صبر کیا ۔ پھر قلم فراق رقم کو ہاتھ میں لے کر ایک بند کاغذ کا اُٹھا کے نامے کا جواب یوں لکھا ✤

نامۂ تاج الملوک

اے عاشقوں کی جلانے والی ۔ ہے طرزِ جفا تری نرالی +
تو سیم تنوں کی صف شکن ہے ۔ تو عشق کی رہ میں راہ زن ہے +
ابرو تری آنکھ پر وہ خم دار ۔ ہے مست کے پاس جیسے تلوار +
جادو ہے تری نگاہ پنہاں ۔ یا برق برائے خرمنِ جاں +
غنچہ ہے ترے دہن سے دل تنگ ۔ آ کے ترے لب کے لعل بے رنگ +
روشن ہے تجھی سے چشمِ امید ۔ میں ذرہ صفت ہوں تو ہے خورشید +

اے نازنین مہر جبین ۔ و اے رشک افزائے بتانِ چین ! تیرے اشتیاق نامے کے مضامین آتش بار نے میرے استخواں کو برنگ شمع جلا دیا ۔ اور دلِ مہجور کو داغوں سے معمور کیا ۔ شور و فغاں سے حشر برپا ہوا آہ کا دھواں چار طرف گھٹ گیا + اے شمع شب افروز جو داغ تیرے عشق کی سوزش سے میرے سینے میں پڑے ہیں ۔ ہرگز نہ مٹیں گے ۔ بلکہ جب تک ماہ کے جگر میں

کلف ہے یہ بھی جھمکا کریں گے۔ یہ نہ جانیو کہ تیرا تصور میری آنکھوں سے کسی وقت جاتا ہے۔ یا تیری یاد کسی دم میرا دل بھلاتا ہے۔ کوئی گھڑی نہیں۔ کہ جس میں مجھ کو تیری جستجو نہیں۔ اور تیرے ملنے کی آرزو نہیں + میں تو تیرا نام سن کر دیوانہ ہو کر آنکھوں سے راہ چلا۔ جان کا خطرہ نہ کیا۔ دیووں سے کس کس طرح سازش کی۔ اور اُن کی گردن میں کمندِ محبت ڈالی۔ جب کہیں تیرے جمالِ جہاں آرا کو ذرا دیکھا۔ اور نمک زخم پر چھڑکا + فی الجملہ میرے سینۂ سوزاں کی وہ آگ ہے۔ کہ جس کی ایک چنگاری تیرے دل میں جا پڑی۔ یا برق اشتیاق کی ایک تڑپ ہے جو تیرے خرمن کی طرف دوڑ گئی ؎

ہے فیضِ عشق کی سوزش جو تیرے سینے میں۔ شرارا ایک ہے لیکن دو آبگینے میں +

میں کیا کہوں مجھ سے کیا ہو سکتا ہے۔ جذبہ تیرا ہی کام کا ہے ؎

تا نہو دل کی جانب سے کشش۔ عاشقِ بےچارہ کہہ کیا کر سکے +

بس اس راز سے قلم کو آشنا نہ کیا چاہیئے۔ کہہ گئے ہیں۔ قلم کب آشنا ہے راز مشتاقوں سے اور محرم + والسلام

پھر خط کو لفافہ کر کے اپنی چشمِ سرمہ سائے نم ناک کو بجائے مہر اُس پر رکھا۔ اُس کے بعد سمن روپری کے ہاتھ میں دیا۔ اور زبانی پیام باشتیاق تمام بہت سے دئے + آخر وہ رخصت ہو کے بکاؤلی کے پاس آ پہنچی۔ جواب نامے کا حوالے کیا۔ اور زبانی بھی جو کچھ حال تھا کہہ سنایا +

ملاقات اور جُدائی

القصہ جب بکاؤلی نے تاج الملوک کا اشتیاق اپنے سے دونا پایا۔ اور صبر و قرار طرفین کا محال نظر آیا۔ سمن رو سے کہا۔ کہ حمالہ کو جلد حاضر کر + وہ سنتے ہی

دوڑی ایک پلک میں جا پہنچی۔ حمالہ اُس کو مضطرب دیکھ کر پوچھنے لگی۔ اسے بھینا۔ خیر ہے۔ ایسی گھبرائی کیوں آئی ہو؟ وہ بولی خیریت ہے۔ شاہزادی نے تم کو یاد کیا ہے۔ دیر نہ کرو ٭

جلدی گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور غیر کے بُلانے سے بید کی طرح کانپتی ہوئی آئی۔ کیا دیکھتی ہے۔ کہ بکاؤلی نرگس چشم یار سے بیمار ہے۔ اور ہر مژہ فوّارے کے مانند اشک بار۔ ماتم زدوں کی صورت۔ اُس عشرت کدے میں بنائے بیٹھی ہے آداب بجالا کر سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر کہنے لگی۔ اے یاسمن نشاط! وائے گلشنِ انبساط! تیرا غنچۂ دل ایسا کیوں تنگ آیا۔ جو تو نے اپنا یہ رنگ بنایا؟ کاہے کو شبنم کی طرح روتی ہے۔ کس لئے پھول سے مکھڑے کو گرم گرم آنسوؤں سے دھوتی ہے؟ تیری بلا یہ میرے کو لگے۔ تو ہمیشہ خوش رہے۔ خدا کے واسطے کچھ بات کر۔ بول۔ اپنے دل کے بھید کو مجھ پر کھول؟

یہ سُن کر بکاؤلی نے کہا۔ ڈھیٹھ دلالہ اتنی باتیں کیوں بناتی ہے جان بوجھ کر بھولی ہوئی جاتی ہے۔ یہ تیری ہی آگ لگائی اور بلا لائی ہوئی ہے۔ ان بتّی بازیوں سے ہاتھ اُٹھا۔ اور اپنی لگائی کو بجھا۔ یہ کرتوت تیرے داماد کا ہے۔ یا کسی اور کا؟ اور اُس کو تو نے یہاں تک پہنچایا۔ یا کوئی اَور لایا؟ اگر اپنا بھلا چاہتی ہے۔ تو جلد جا۔ اور اُسے مجھ تک لا ٭

حمّالہ یہ بات سُن کر ہنس پڑی۔ اور کہنے لگی۔ کہ تم نے اتنی ہی بات کے واسطے رو رو کر مُنہ سُجایا ہے۔ اور اپنا یہ حال بنایا ہے۔ تم اُٹھو۔ ہاتھ مُنہ دھوؤ۔ ہنسو بولو۔ اُس کا لانا کتنا کام ہے۔ میں ابھی کان پکڑے لے آتی ہوں۔ اور ایک آن میں تم سے ملاتی ہوں ٭

آخر وہ لنکا شہرستان کی طرف دوڑی گئی۔ بات کی بات میں تاج الملوک کے

پاس آپہنچی ۔ اور مُسکرا کر کہنے لگی ۔ اُٹھ ارے پروانے ۔ اُڑ چل تجھے تیری شمع نے یاد کیا ہے + یہ سُنتے ہی شاہزادہ بے اختیار اُس کے پاؤں پر گر پڑا ۔ حمالہ نے اُس کا سر اُٹھا کر چھاتی سے لگایا ۔ پھر کاندھے پر بٹھا کر بکاؤلی کے ملک کا راستہ لیا +

اس اثنا میں جمیلہ خاتون کے کان میں یہ بھنک پڑی ۔ کہ تمہاری بیٹی بروگن سی بن گئی ہے ۔ شاید کسی آدم پر وہ پریزاد دیوانی ہوئی ہے + اس بات کی تحقیق کرنے کو وہ بکاؤلی کے پاس آئی ۔ اور آثار عشق کے اُس میں دیکھ کر بہت خفا ہوئی ۔ اور اپنا مُنہ پیٹ کر بولی ۔ اری کواری تھتکاری تو ناپید ہو ۔ یہ کس کے پیچھے بروگ لیا ہے ۔ اور کس کے لیئے یہ جوگ سادھا ہے ؟ پریوں کا ننگ و ناموس تو نے کھویا ۔ اور کل کا نام ڈبویا +

اُس نے یہ باتیں سُن کر کانوں پر ہاتھ رکھا ۔ اور صاف مکر گئی ۔ قسمیں سخت سخت کھانے لگی ۔ ماں کے پاؤں پر گر پڑی ۔ اور کہنے لگی ۔ میں نے تو آج تک عشق کا نام نہیں سُنا ۔ اور آدمی کو خواب میں بھی نہیں دیکھا ۔ کسی نے طوفان جوڑا اور تہمت کی ۔ اُس کا نام سچ بتاؤ ۔ نہیں تو میں اپنا خون کروں گی ۔ اور جان دوں گی + یہ حالت اُس کی دیکھ کر ماں ہی تو تھی ۔ پگھل گئی ۔ مگر ظاہر میں رُکھائی سے بولی ۔ چل چپ رہو نسوے نہ بہا +

اتنے میں حمالہ اُس مشتاق کو لے کر پہنچی ۔ سمن رو پری تو محرم راز تھی ۔ اُس نے اشارے سے آگاہ کر دیا ۔ کہ وہ مسافر بھی آپہنچا + شاہزادی نے بھی اشارے سے کہا ۔ کہ ایک مکان محفوظ میں چھپا رکھو +

غرض پہر رات گیئے تک تو بکاؤلی چار ناچار ماں کے پاس بیٹھی رہی ۔ جب وہ پلنگ پر جا کر سو رہی ۔ بکاؤلی نے دیکھا ۔ کہ خوب غافل ہوئی ۔ وہاں سے اُٹھی ۔ اور دبے پاؤں چلی + دل خوف سے دھڑکتا ۔ اور جی شوق سے پھڑکتا تھا ۔ قصّہ مختصر

اسی صورت سے شاہزادے کے پاس پہنچی۔ اُس کی نگاہ جو ہیں اس سراپا ناز پر پڑی۔ ہوش جاتا رہا۔ غش ہو کر گر پڑا + جب تو یہ گھبرا کر دوڑی۔ اُس کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ مُنہ سے اُس غنچہ دہن کی بُو کہ گلاب سے بہتر تھی۔ سونگھتے ہی شاہزادے کے دماغ میں قوّت آ گئی۔ ہوش میں آیا۔ آنکھیں کھول دیں۔ اپنے سر کو اُس زہرہ جبین کے زانو پر دیکھا۔ کوکب بخت کو اوج پر پایا۔ خوش و خرم اُٹھ بیٹھا۔ پھر تو پیار کی آنکھیں طرفین سے پڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ ٹکٹکی بندھ گئی۔ **مثنوی**

ہزار افسوس پھر یہ چرخ پُر زور۔ کرے گا مشتری کو ماہ سے دور +
جہاں دو شخص بیٹھے مل کے اک جا۔ وہیں سنگِ جدائی اس نے پھینکا +
جو دے ایک دل میں نورِ آشنائی۔ تو بخشے اُس کو سو داغِ جُدائی +
غلط ہے یہ کہاں اس میں وفا ہے۔ کماں میں اس کی بس تیرِ جفا ہے +

اتفاقاً جمیلہ خاتون آدھی رات کے وقت چونک پڑی۔ چاندنی کی بہار سے باغ بھی اُس وقت نور باغ بن رہا تھا۔ بے دھڑک اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور سیر کرنے لگی + ناگاہ اُس جگہ جہاں وہ دونوں خوابیدہ بخت تھے جا نکلی۔ دیکھتے ہی اُس کی آتشِ غضب کا شعلہ بھڑکا۔ غصّہ روکا نہ گیا۔ تاج الملوک کو مانند سنگ فلاخن صحرائے طلسم میں پھینکا۔ اور بکاؤلی کے گُل رُخسار کو طمانچوں سے گل ارغوان بنا دیا۔ اُس کے بعد گلستانِ ارم میں کہ اُس کے باپ کا تخت گاہ تھا۔ اپنے ساتھ لے گئی۔ اور جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ فیروز شاہ سے کہا + اُس نے کتنی پریاں خوش بیان چرب زبان اُس شمع رو کی مصاحبت میں مقرر کیں۔ کہ اُس کو نصیحت کیا کریں۔ اور انسان کا نقشِ اُلفت اُس کے لوحِ دل سے دھو یا کریں۔ چنانچہ وہ اس کام میں دن رات مشغول تھیں۔ لیکن بکاؤلی کی دبی ہوئی آگ عشق کی اُن کی باتوں سے سُلگ اُٹھتی تھی۔ شعلۂ اشتیاق دونا بھڑک جاتا تھا۔ دن ہر کسی کے ساتھ

بیٹھ کر کاٹتی تھی۔ اور رات بھر یار کے خیال میں جاگتی تھی۔ اور یہ غزل اپنے حسب حال پڑھتی تھی

کوئی نہ میری طرح بھی ہو مبتلائے فراق۔ تمام عمر نہ سر سے گئی بلائے فراق

غریب و عاشق و بے دل فقیر سرگرداں۔ خطاب دیتا ہے کیا مجھ کو بادشائے فراق

ہمیشہ سینۂ سوزاں سے شعلے اٹھتے ہیں۔ دل و جگر کو جلاتے ہیں داغ ہائے فراق

فراق کو تری فرقت کا مبتلا یہ کروں۔ کہ خوب خون جگر روئیں دیدہ ہائے فراق

کہاں فراق کہاں ہیں کہاں وہ رنج و تعب۔ فلک کے ہاتھ سے اب ٹٹ جائے پائے فراق

ہیں داد پاؤں کہاں کیا کروں کہوں کس سے۔ فراق کو بھی کوئی ہے جو دے سزائے فراق

اگر فراق ملے مجھ کو جان سے ماروں۔ سرشک دیدہ سے بھر دوں میں خوں بہائے فراق

بقول حافظ شیراز اب مرے دل سے۔ برنگ مرغ سحر آتی ہے صدائے فراق

جب پریوں نے اس کے مزاج میں دن بہ دن سودے کو بڑھتے پایا۔ جانا کہ عشق نے اُس کے دل میں گھر بنایا۔ ناچار ہو کر فیروز شاہ سے عرض کی۔ کہ ہم نے اپنا بہتیرا مغز پھرایا۔ مگر فائدہ کچھ نہ پایا۔ وہ کسی طرح نہیں سمجھتی۔ پتھر کو جونک نہیں لگتی۔ خبر شرط تھی۔ جو کی۔ آگے جو ارشاد ہو

فیروز شاہ نے اس ماجرے کو سُن کر جانا۔ کہ بیٹی ہاتھ سے جا چکی۔ نصیحت مطلق نہیں سُنتی۔ بکاؤلی کو طلسمات میں قید کیا۔ اُس سیم تن کے پاؤں میں سونے کی زنجیر کو بھر دیا

اسیر طلسم

کہتے ہیں کہ جب جمیلہ خاتون نے شاہزادے کو ہوا پر پھینکا۔ وہ ایک دریائے عظیم میں جا پڑا۔ اور اس کے تلاطم سے تہ و بالا ہونے لگا۔ کبھی موتی کی مانند نیچے جاتا تھا۔ اور کبھی حباب دریا کی طرح پانی پہ تیر آتا تھا۔ چند روز کے بعد کنارے پہنچا

سچ ہے کہ عاشقوں کی جانِ عزیز تک اجل کا ہاتھ یک بیک نہیں پہنچتا۔ اور موت کا پنجہ اُن کے مرغِ روح کی گردن نہیں مروڑ سکتا + کوئی رمق جان باقی رہی تھی۔ تری سے خشکی میں آیا۔ آفتاب کی گرمی سے ہاتھ پاؤں کھُلے۔ حرکت کے قابل ہوئے اور بدن میں زور پیدا ہوُا اُٹھ کر ذرا آگے بڑھا +

سامنے ایک جزیرہ نظر آیا۔ اُس میں جا کر وارد ہوُا۔ اقسام اقسام کے میوے دار درخت اُس میں تھے۔ ادھر اُدھر پھرنے لگا + اتنے میں ایک ایسا باغ نظر آیا۔ کہ اُس کے درختوں کے پھل آدمیوں کے کلّے کے مانند تھے + یہ جوان سے دوچار ہوُا۔ وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ پھر سب کے سب زمین پر گر پڑے۔ ایک ساعت کے بعد اَور کلّے اُن شاخوں میں پیدا ہوئے + شاہزادہ یہ تماشا خدا کی قدرت کا دیکھ کر نہایت حیران ہوُا۔ بلکہ ڈرا اور وہاں سے آگے بڑھا +

ایک باغ انار کا ملا۔ اُس میں ہر ایک انار گھڑے کے برابر تھا۔ تاج الملوک نے ایک انار جو توڑا۔ اُس میں سے چھوٹے چھوٹے چرند خوش رنگ نکل آئے پھر سب چڑیوں کی طرح اُڑ گئے + شاہزادہ یہ صنعت خالق کی دیکھ کر اَور بھی دنگ ہوُا۔ علےٰ ہٰذا القیاس ایسے ہی ایسے عجائب اور غرائب چند روز تک دیکھا کیا + غرض جس سر زمین پر جا پہنچتا۔ ایک نیا ہی تماشا نظر آتا۔ کسی طرح وہاں سے رہائی نہ پاتا تھا +

ایک دن نہایت تنگ ہو کر ہر طرف سے لکڑیاں جمع کیں۔ بیڑا باندھا۔ پھر خدا کا نام لے کر دریا میں ڈال دیا۔ اور اُس پر جا بیٹھا۔ کئی روز کے بعد وہ ایک کنارے پر جا لگا۔ یہ اُتر کر آگے چلا۔ ایک بیابان ہولناک میں جا کر وارد ہوُا +

شام کے وقت درندوں کے ڈر سے درخت پر جا بیٹھا۔ پھر رات ہو گئی۔ ایک سنّاٹے کی آواز دکھن کی طرف سے کان میں پہنچی۔ ہر چند شاہزادے نے داہنے بائیں دیکھا۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ آخر ش ایک اژدہا پہاڑ سا نظر آیا۔ اور

اُسی درخت کے نیچے۔ کہ جس پر شاہزادہ تھا آیا۔ اُس کی صورت دیکھنے سے اُس کے حواس اُڑ گئے۔ درخت کی ڈالی سے لپٹ کر دم بخود ہو گیا۔ ایک ساعت کے بعد اژدہے نے ایک کالا سانپ اپنے مُنہ سے نکالا۔ اور اُس نے ایک من آفتاب سا چمکتا ہوا اُگل کر درخت کے نیچے رکھ دیا۔ اُس کی روشنی سے چار کوس کے عرصے تک جتنے جنگل پہاڑ تھے روشن ہو گئے۔ اور وحوش وطیور اُس کے آگے آکر ناچنے لگے۔ آخر مدہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ اُن کو دم کی کشش سے کھینچ کھینچ کر نگلنے لگا۔ یہاں تک کہ اُس کا پیٹ بھر گیا۔ سانپ اُس کے من کو نگل گیا۔ اور وہ سانپ کہ پھر جس طرف سے آیا تھا اُسی طرف کو چلا گیا۔

شاہزادے کے جی میں یہ لہر آئی۔ کہ ایسی تدبیر کیجئے۔ کہ جو یہ من ہاتھ لگے۔ عقل دوڑانے لگا۔ آخر سوچتے سوچتے صبح ہو گئی۔ پھر دریا کی طرف گیا۔ اور وہاں سے ایک بڑا لوندا کیچڑ کا اُٹھا لایا۔ اور شام کے وقت درخت پر چڑھ کر اسی طرح بیٹھ رہا۔ اژدہا بھی اپنے وقت معین پر آپہنچا۔ اور بدستور سانپ کو مُنہ سے نکالا۔ اور اُس نے من کو۔ شاہزادہ گھات میں بیٹھا تھا۔ اس حکمت سے اُس گل حکمت کا لوندا من پر ڈالا۔ کہ گل حکمت کر دیا۔ تمام اندھیرا ہو گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سوجھنے سے رہ گیا۔ اژدہا اور سانپ سر پٹک پٹک کر مر گئے۔ نور کے تڑکے درخت سے اُترا۔ اور وہ مُہرہ نورانی کیچڑ سے نکال کر اپنی کمر میں باندھا۔ اور آبادی کی توقع پر آگے چلا۔ تمام دن دشت پیمائی اور صحرا نوردی میں کاٹتا تھا۔ جب رات ہوتی تھی کسی درخت پر چڑھ کر بیٹھ رہتا تھا۔ غرض دن رات اسی طرح بسر کرتا تھا۔

اتفاقاً ایک رات کو جس درخت پر بیٹھا تھا۔ اُس پر ایک بولتی ہوئی مینا کا آشیانہ تھا۔ وہ اپنے بچّوں کو اکثر کہانیاں نقلیں سُنایا کرتی تھی۔ اور ہر ایک فن کی گھاتیں بتایا کرتی تھی۔ اس لئے کہ کان پڑی بات ایک نہ ایک دن کام آرہتی ہے۔ اُس رات کو

بچوں نے مینا سے کہا۔ اے اماں جان! کوئی بات اس بیابان کی تو کہو؟ مینا بولی کہ اس جنگل میں گنج بے شمار جا بجا گڑا ہے۔ اور اُس کے سوا یہاں سے دکھن کی طرف ایک حوض کے کنارے ایک بڑا درخت ہے۔ کہ اس کو سراج القرطب کہتے ہیں۔ اگر کوئی اُس کے پوست کے ٹوپی بنا کر پہنے۔ تو وہ کسی کو نظر نہ آئے۔ اور وہ سب کو دیکھے۔ لیکن اُس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس کا بڑا سانپ نگہبان ہے۔ اُس پر تلوار و تیر کچھ کارگر نہیں ہوتا ✤

بچوں نے مینا سے پوچھا کہ پھر کس طرح کوئی وہاں پہنچے؟ مینا نے کہا۔ ایسا کوئی جوان ہو۔ کہ گھبرا نہ جاوے۔ اور ہمت باندھے ہوئے اُس حوض کے کنارے آپ کو پہنچاوے وہ سانپ لپک کر جب اُس پر آوے۔ وہ حوض میں کود پڑے۔ فوراً اُس کی صورت کوے کی ہو جاوے گی۔ کچھ اُس کا اندیشہ نہ کرے۔ اور اُڑ کر اُس درخت کے پچھم طرف ڈالی پر جا بیٹھے۔ اُس میں کتنے سبز اور کتنے لال پھل لگے ہیں۔ اگر لال پھل توڑ کر کھا جائے۔ تو پھر اپنی اصلی صورت پر آ جائے۔ اور سبز پھل کی یہ تاثیر ہے۔ کہ جو اس کو سر پر رکھے۔ تو کوئی حربہ بدن پر اثر نہ کرے۔ اگر کمر میں باندھے تو ہوا پر اُڑتا پھرے۔ اور پتوں کا خواص یہ ہے۔ کہ زخم پر اُنھیں رکھے۔ تو فوراً ابھر آوے۔ اگر اُس کی لکڑی ہزار من لوہے کے قفل کو چھوائے۔ تو اُسی وقت کھل جائے ✤

تاج الملوک یہ عجیب و غریب باتیں سُن کر حد سے زیادہ اس درخت کا مشتاق ہوا۔ صبح ہوتے ہی اُس پتے پر چلا۔ بہر صورت آپ کو اُس حوض تک پہنچایا۔ سانپ بھی اُس کو دیکھتے ہی لپکا۔ شاہزادہ مطلق نہ جھجکا۔ حوض میں کود پڑا۔ پھر کوا بن کر اُس درخت کی اُسی میوے دار ڈالی پر جا بیٹھا۔ اور ایک لال پھل کھا کر اپنی اصلی صورت پر آگیا ✤

پھر اُس کے بعد کچھ سبز پھل توڑ کر کمر میں باندھے۔ اور ایک لکڑی بھی لاٹھی کے موافق لے لی۔ پھر تھوڑی سی چھال کہ جس میں ٹوپی بنے اور کچھ پتے لے کر وہاں سے اُڑا۔

چند روز کے بعد جنگل سے باہر نکلا۔ آثار آبادی کے دکھائی دیئے۔ وہاں ایک نوک دار لکڑی لے کر اپنی ران کو چیرا اور کالے کا من اُس میں رکھ کر وہی پتے زخم پر رکھ دیئے فوراً اچھا ہو گیا۔ پھر وہاں سے آبادی کی راہ لی +

طلسم کا حوض

نقل ہے کہ تاج الملوک ایک سنگ مرمر کے حوض پر جس کے چار طرف رنگ برنگ کے پھول پھولے ہوئے تھے۔ جا پہنچا۔ وہ سہانی جگہ اور ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر شاہزادہ ایک آن سو گیا۔ جب آنکھ کھلی اور پانی کی صفائی ملاحظہ فرمائی۔ ٹوپی اور عصا ایک درخت کے نیچے رکھ کر اُس میں اُترا۔ اور غوطہ مارا۔ جو ہیں پانی سے باہر نکلا۔ تو دیکھا نہ وہ سرزمین ہے۔ اور نہ وہ صورت۔ خدا کی قدرت سے آپ کو ایک حبشی جوان کی شکل دیکھا۔ اسی خیال میں تھا کہ ناگاہ ایک عورت حبشن کی سی وضع۔ اوپر کا ہونٹھ اُس کی ناک کی پھنگ سے لگا ہوا۔ اور نیچے کا ٹھوڑی کے نیچے پڑا ہوا۔ کان شانوں تک۔ سر کھولے ہوئے زبان سے ہونٹھ چاٹتی ہوئی۔ سامنے سے نمودہوئی۔ اور اُس کی کمر پکڑ کر پکاری۔ کہ اے بے حمیت تین دن سے لڑکے بھوکے پیاسے مرتے ہیں اور میں تیری تلاش میں سرگرداں پھرتی ہوں۔ تو کہاں چھپ رہا تھا؟ بھلا جو ہوا سو ہوا۔ اب وہ تین دن کی لکڑیاں تو لا۔ کہ اُن کو بیچ کر لڑکے بالے کھانے کو لائیں +

تاج الملوک نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدایا! کب تک مجھ کو اس عذاب میں گرفتار رکھے گا +

قصہ کوتاہ وہ ناپاک کشاں کشاں اپنے گھر لے گئی۔ چار طرف سے لڑکوں نے آکر گھیر لیا۔ کہ بابا ہمارے واسطے کیا لائے؟ شاہزادہ چپکا ایک ایک کا منہ

دیکھنے لگا۔ اتنے میں اُس چڑیل نے ایک کلہاڑی تاج الملوک کے ہاتھ میں دی۔ کہ جاکر لکڑیاں کاٹ لا۔ شاہزادہ اس فرصت کو غنیمت سمجھا جنگل میں گیا لیکن اس طلسمات عجیب کی حالت سے حیران تھا + دل میں سوچا کہ حوض میں غوطہ مارنے سے صورت تبدیل ہو چکی ہے۔ امتحان کیجئے اور دیکھئے کہ اب کیسی شکل بنتی ہے + ایک حوض میں جاکر غوطہ مارا۔ جب سر نکالا۔ آپ کو بصورت اصلی پہلے حوض کے کنارے پر پایا۔ لاٹھی اور ٹوپی کو بے تفاوت رکھے ہوئے دیکھا۔ سجدہ شکر کا درگاہ الٰہی میں بجا لایا۔ اور دل میں ٹھہرایا۔ کہ اب کسی حوض میں غسل نہ کیجئے۔ بلکہ ہاتھ بھی نہ ڈالئے۔ پھر لاٹھی ہاتھ میں لے اور ٹوپی سر پر رکھ روانہ ہوا +

اے یارانِ دہر حق تعالےٰ نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر اور عصا عصمت کا ہاتھ میں دے کر طلسم گاہِ دُنیا میں کہ مزرع آخرت ہے۔ عاقبت کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ گل اور خار اور آب و شراب خوب پہچانے۔ ہر ایک باغ کے پھول کو نہ سونگھے۔ ہر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے۔ کہ یہاں کانٹے گل سے رنگین اکثر ہیں۔ اور شراب بصورت آب ادھر اُدھر ہے اے عزیز اگر گوہرِ دُنیا کے لینے کو چشمۂ جہان میں غوطہ مارے گا۔ مقرر اپنا کلاہ اور عصا کھو دے گا۔ چاہئے۔ کہ دم بخود ہو کر پھر دریائے ذکر الٰہی میں غوطہ مارے۔ اس کے بعد جو سر اُٹھا وے گا۔ وہی عصا ہاتھ میں اور وہی ٹوپی سر پہ دیکھے گا +

رُوح افزا

نقاشِ سخن اس حکایت کی تصویر صفحۂ بیان پر یوں کھینچتا ہے۔ کہ جب تاج الملوک نے یہ صدمے اُٹھائے۔ پھر زمین پر پاؤں رکھنا چھوڑ دیا۔ سبز میوے کی قوت سے ہوا پر جاتا تھا + ایک روز ایسے پہاڑ پر گزرا۔ کہ کوہ قاف بھی اُس کے آگے ایک

پشتہ سا نظر آتے۔ اُس پر ایک پتھر کی حویلی دیکھی۔ شاہزادہ تفتیش حال کے لئے میں گیا + ہر چند پھرا۔ لیکن کسی ذی حیات کا اثر وہاں نہ دیکھا + ہر ایک مکان کو ڈھونڈنے لگا۔ ناگاہ ایک آواز دردناک اُس کے کان میں آئی۔ وہاں جا کر دیکھا۔ ایک عورت خوب حسین کہ جس کی صفائی پر نظر پھسلی جاتی تھی۔ بلکہ اُس کے دیکھنے سے ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ چلی آتی تھی۔ پلنگ پر بیٹی ہچکیاں لے لے روتی تھی +

شاہزادے نے سر سے ٹوپی اُتار کر اُس سے پوچھا۔ کہ اے آرام جان اس جوانی کے عالم میں تیری جُدائی تیرے عاشق بے دل کے دل پر ایک ستم ہے۔ تو نے اُس سے کنارہ کیوں کیا۔ اور داغ فراق کا اُس بے چارے مشتاق کے دل پر کس واسطے رکھا؟ اس نازنین کو یہ کلام رندانہ سُن کر بہت حیا آئی۔ اور اُس چھیڑ چھاڑ کی باتوں سے نہایت شرمائی۔ پھر دوپٹے کا آنچل مُنہ پر لے کر بولی۔ ارے تو کون ہے۔ مگر تلاشی عزرائیل کا ہے۔ جلدی یہاں سے بھاگ نہیں تو ابھی مارا جائے گا + تاج الملوک بولا۔ اگر میرا سر کہ فی الحقیقت میرے نزدیک ایک بار ہے۔ تجھے رغبت ہو۔ تو حاضر ہے۔ اور جو کسی دُشمن سے ڈراتی ہے۔ تو ہر گز میں نہیں ڈرتا

نہیں ڈرتا میں مرنے سے ڈراتی ہے تو کیا مجھ کو۔ کہ جی پر کھیلنا ہے سہل رندِ لاابالی کا +

بہر حال تو مجھے اپنے حال سے مطلع کر۔ اُس زہرہ جبین نے سر اُٹھا کر کہا۔ کہ میں پری ہوں۔ اور میرا نام روح افزا ہے۔ مظفر شاہ تخت نشین جزیرۂ فردوس کا میرا باپ ہے + ایک روز میں اپنے چچا کی بیٹی کی عیادت کے لئے کہ اُس کا نام بکاولی ہے۔ گلستانِ ارم میں گئی تھی۔ پھرتے ہوئے ایک دیو سیاہ رو نے راہ میں مجھے پکڑا اور یہاں لے آیا۔ مجھ کو نئی نئی طرح سے ستاتا ہے۔ اور ہر روز ایک آفت تازہ میرے سر پر لاتا ہے +

یہ سُن کر تاج الملوک نے پوچھا کہ تیرے چچا کی بیٹی کو کیا مرض ہے؟ اس نے کہا وہ کسی آدم زاد سے عشق رکھتی ہے۔ مگر مدت کے بعد اُسے بہ ہزار خرابی وہ ملا تھا۔ ایسا بجوگ پڑا۔ کہ پھر جُدا ہو گیا۔ اب اُس کے فراق میں وہ رشکِ حور مجنوں کی مانند دیوانی ہو رہی ہے۔ اور اپنی جانِ شیریں کو اُس فرہادِ وقت کے غم میں کھو رہی ہے۔ کچھ اُس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میرے چچا نے اُس کو قید کیا ہے۔ اور بناچاری سے اُس کی اذیت کا صدمہ اپنے اوپر لیا ہے +

اس ماجرے کو سُن کر شاہزادے کی حالت تغیر ہو گئی۔ آنکھیں بھر آئیں۔ لب پر آہیں۔ دل و دماغ میں خلل ہو گیا۔ چہرے کا رنگ اُڑ گیا + رُوح افزا نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔ باوجود ان گرمیوں کے موجب آہِ سرد کیا ہے؟ شاہزادہ بولا کہ میں وہی گرفتار بلائے دُوری ہوں۔ جس کی مہجوری سے تیرے چچا کی بیٹی کی وہ حالت ہوئی ہے۔ اُدھر اُس کا دل گھبراتا ہے۔ اِدھر میرا آوارگی میں جی جاتا ہے + غرض شاہزادے نے اپنا تمام قصّہ روح افزا کے روبرو کہا۔ وہ سُن کر نہایت متعجب ہوئی اور دونوں کی محبت پر ہزار ہزار آفریں کی۔ اُس کے بعد کہنے لگی۔ اگر میں اس دیو کی قید سے نجات پاتی۔ تو تیرے جگر کے زخم پر مرہم لگاتی +

شاہزادے نے کہا۔ اب تجھ کون روک سکتا ہے۔ اس قید خانے سے ابھی نکل جس طرف تیرا جی چاہے شوق سے چل۔ اگر اس دیو کا تیرے جی میں ڈر ہے۔ تو دیکھ لیجیو کہ ایک ہی حملے میں اُس کا کیا حال کرتا ہوں۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی حربہ نہیں +

روح افزا نے دیو کا سلح خانہ اُس کو بتا دیا۔ اُس نے پھر وہاں جا کر ایک تیغِ آب دار اُٹھا لیا۔ اُس کے پاس جا کر سراج القطب کا عصا پاؤں میں چھوا یا۔ بیڑیاں اُس نازنین کے پائے نازک سے کٹ کر گر پڑیں۔ اس کے بعد دونوں نے جزیرہ

فردوس کی راہ لی۔ چنداں دور دونوں نہ گئے تھے۔ کہ ناگاہ ایک آواز مہیب پیچھے سے آئی۔ روح افزا نے کہا۔ اے شاہزادے! ہوشیار ہو۔ دشمن خونخوار آن پہنچا۔ تاج الملوک نے کُلاہ بغل سے نکال کر روح افزا کے سر پر رکھ دی۔ اور آپ دیو کی طرف متوجہ ہوا۔ دیو بھی سامنے آیا۔ شاہزادے نے للکار کر کہا کہ۔ او دیو لعین! خبردار قدم آگے نہ بڑھانا۔ نہیں تو ایک ہی ہاتھ میں دو ٹکڑے کروں گا۔ دیو یہ سُن کر بجلی کی طرح تڑپا۔ اور دانت نکال کر بولا۔ عجب تماشے کی بات ہے۔ کہ چیونٹی ہاتھی سے مقابلہ کیا چاہتی ہے۔ اور چڑیا سیمرغ سے لڑا چاہتی ہے۔ مجھے ننگ آتا ہے۔ کہ مکھّی کے خون سے کیا ہاتھ بھروں۔ اور جس ہاتھ کے طمانچے کا زور کوہ قاف کے مُنہ کو پھیر دے۔ ایک مُشتِ خاک پر کیا ماروں۔ خیر میری معشوقہ کو مجھے دے۔ اور تو اپنی راہ لے۔ کہ میرا دل اُس کے شمع جمال پر پروانے کی طرح جلتا ہے۔ اور اُس کے سوزِ عشق سے دم بہ دم پگھلتا ہے۔

شاہزادے نے کہا اے مردود گندہ دہن۔ لائق نہیں کہ تو روح افزا کو اپنی معشوقہ کہے۔ خدا کا خوف کرتا ہوں۔ نہیں تو ابھی تیری زبان کاٹ لوں۔

دیو نے یہ زبان درازی اور لاف زنی شاہزادے کی دیکھ کر دیگ کے مانند آتشِ غضب سے جوش میں آکر سو من کا پتھر اٹھا کر شاہزادے کی طرف پھینکا۔ وہ اُس سبز مُہرے کے زور سے اُچک ہوا پر جاتا رہا۔ اور سراج القرطب کا عصا ایسا دیو کی گردن پر مارا کہ تمام بدن اُس کا کانپ گیا۔ اُس کے بعد غصّے سے کہا۔ کہ دور ہو اے لعین۔ ابکی بار تو میں نے رحم کیا۔ اگر ایک ہاتھ اور مارتا تو دو ہی کر دیتا۔ جب دیو نے حریف کو نہایت شہ زور پایا۔ ایسا شور مچایا۔ کہ چاروں طرف سے ہزاروں دیو کا ڈسرا اور فیل تن آ پہنچے۔ شاہزادے کو گھیر لیا تاج الملوک نے بھی اُسی میدان میں جیسی چاہئے ویسی ہی جواں مردی کی داد دی۔ اور دیوؤں کی

لڑائی بات کی بات میں ماری

یہ تلوار کی اُس جری نے وہاں ۔ زمیں ہل گئی کانپ اُٹھا آسماں +
لڑائی نے ہمت کا ڈیرے تھے پا ۔ کہیں صلح کی ہاتھ آئی نہ جا +
کئے قتل اُس نے تو لاکھوں پلید ۔ پہ تیغ اُس کی کہتی تھی ہل من مزید +
وہ انسان دیوؤں سے ایسا لڑا ۔ کہ مریخ کہنے لگا مرحبا +
تڑپتے تھے وہ خاک پر بے شمار ۔ زمیں ہو گئی تھی کف رعشہ دار +
بہا تھا یہ اُن کے تنوں سے لہو ۔ کہ تھی کوہ پر خون کی آب جو +
غرض جو بچے بھاگے پھرتی کے ساتھ ۔ رہا کھیت بس شاہزادے کے ہاتھ +

لیکن تاج الملوک لڑتے لڑتے اور چالاکیاں کرتے کرتے بہت تھک گیا تھا ۔ غش کھا کر گر پڑا ۔ روح افزا دوڑی آئی ۔ اور سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا ۔ گل برگ سا ہاتھ اُس کے سینے پر پھیرا ۔ اور ہوش میں لائی ۔ اور ٹوپی سر سے اُتار کر شاہزادے کے آگے رکھ دی ۔ اور اُس کی جواں مردی پر ہزار ہزار آفریں کی + پھر اُٹھ کر جزیرۂ فردوس کی راہ لی +

جب دونوں نزدیک شہر کے پہنچے ۔ روح افزا تاج الملوک کو ایک باغ میں کہ اُس کا نام بھی روح افزا تھا ۔ بٹھا کر آپ ماں باپ کی ملاقات کے لئے گئی + اُنھوں نے اُس کے آنے سے زندگی دوبارہ پائی ۔ اُس کا ماتھا اور آنکھیں چومیں ۔ پھر سرگزشت پوچھی + روح افزا نے اذیت و یوستمگاری اور مروت اور جوانمردی شاہزادے شجاعت شعار کی بیان کی ۔ لیکن یہ نہ کہا کہ بکاؤلی کا عاشق وہی ہے + مظفر شاہ سنتے ہی اُٹھ کر باغ میں گیا ۔ اور شاہزادے کا شکر و احسان بمرتبہ بجا لایا ۔ مدارات بہت سی کی ۔ ایک مسند پاکیزہ اور نئی بچھوا دی ۔ پھر کتنی پریاں اور پریزاد اُس کی خدمت کے لئے مقرر کر کے اپنے دولت خانے میں آیا +

ملاقات کی صورت

راوی شیریں زبان یوں بیان کرتا ہے۔ کہ مظفر شاہ نے ایک خط روح افزا کے پہنچنے کا فیروز شاہ کو لکھ کر بھیجا۔ وہ اُس کو پڑھ کر نہایت شاد ہوا۔ اور فرمایا کہ جمیلہ خاتون روح افزا کے دیکھنے کو جلد جائے۔ اور اُس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے۔ بکاؤلی نے جو ماں کے جانے کی خبر سُنی۔ کہلا بھیجا۔ کہ میں بھی بہن کی ملاقات کو تمہارے ساتھ چلوں گی۔ جمیلہ خاتون نے اس بات کو مناسب جانا۔ اس واسطے کہ شاید وہاں کے جانے سے اس کا غنچۂ دل کھلے۔ اور مکانات مختلفہ کی سیر سے زنگِ کدورت آئینۂ دل سے جائے۔ پاؤں کی زنجیر کاٹ دی۔ اور اپنے ساتھ لے کر جزیرۂ فردوس کی راہ لی۔

مظفر شاہ نے جب سُنا کہ جمیلہ خاتون مع بکاؤلی آتی ہے۔ روح افزا کو استقبال کے لئے بھیجا۔ جب اُس سے دوچار ہوئی۔ روح افزا نے چچی کو جُھک کر سلام کیا۔ اور قدموں پر گر پڑی۔ اُس نے سر اُٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ آنکھیں چومیں۔ بلائیں لیں۔ پھر دونوں بہنیں آپس میں گلے ملیں۔ مبارک سلامت کی صدا طرفین سے بلند ہوئی۔ پھر روح افزا نے مُسکرا کر بکاؤلی کے کان میں کہا تمہیں بھی اپنے چاہیتے حکیم کا آنا مبارک ہو۔ اب اُس کو شوق سے نبض دکھاؤ۔

یہ سُن کے ماں کے خوف سے اُس وقت تو خاموش ہو رہی۔ پوچھ نہ سکی۔ پر دل ہی دل میں کچھ شاد کچھ مغموم ہوئی۔ القصہ روح افزا دونوں کو اپنے گھر آئین شائستہ لائی۔ مظفر شاہ اور حسن آرا بھی جمیلہ خاتون سے ملے۔ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔ پھر اِدھر اُدھر کا مذکور نکلا۔ دروازہ گفتگو کا کُھلا۔ آخرش روح افزا کی رہائی کا ذکر بھی درمیان میں آیا۔ اُس نے اُس کو اور ہی ڈھب سے ادا کیا۔ غرض

جمیلہ خاتون ایک رات رہ کر دوسرے دن رخصت ہوئی۔ روح افزا نے اُس وقت عرض کی۔ کہ میں چاہتی ہوں چند روز بکاؤلی میرے پاس رہے۔ شاید یہاں کے رہنے سے اُس کے آئینۂ طبع کا زنگ چھوٹے۔ نورِ عقل اُس میں نمایاں ہو۔ اور تاریکی سودا پنہاں ٭

جمیلہ خاتون نے کہا۔ اچھا کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ ایک ہفتے کی اجازت دی۔ اور گلستانِ ارم کی راہ لی ٭

روح افزا بکاؤلی کو اکیلا لے کر بیٹھی۔ باتیں عشق آمیز کرنے لگی۔ طول بہت سا دیا۔ آخر تاج الملوک کے سوز و گداز سے بھی کنایہ کیا ٭ بکاؤلی چشمی کے سبب سے شرمندہ ہو گئی۔ اور مارے حیا کے پانی پانی ہو گئی۔ پھر غصّے سے مُنہ پھیر کر بولی۔ واہ واہ بوا مجھے یہ ہنسی خوش نہیں آتی۔ اور ایسی چھیڑ چھاڑ نہیں بھاتی۔ یہ تم اپنی بیتی ہوئی مجھے سُناتی ہو۔ میں نے جانا کہ تم اُس دیو کا دل ہی دل میں غم کھاتی ہو ٭ یہ کہا وت تم پر چھپ گئی۔ ہاتھوں مہندی پاؤں مہندی اپنے لچھن اوروں دیندی ٭ بس زیادہ بیہودہ مت بکو۔ قسم ہے حضرت سلیمانؑ کی۔ میں ابھی اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ پھر کبھی تمہارے گھر نہ آؤں گی ٭ بھلا شمع فانوس کو پروانے سے کیا نسبت۔ اور غنچۂ سربستہ کو بلبل سے کیا مناسبت؟ کہاں پری۔ کہاں انسان یہ صرف تمہارا گمان ہے ٭

روح افزا نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح ہاتھ نہیں آتی۔ اور کسی صورت دھوکا نہیں کھاتی۔ کہنے لگی اے بہن یہ تو میں نہیں کہتی۔ کہ تو کسی کو چاہتی ہے۔ یا خدا نخواستہ کسی کے درد سے کراہتی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں۔ کہ تو شمع فانوس ہے کوئی پروانہ جو آپ سے آکر جلے۔ تو تجھ کو اُس کے جلنے سے کیا؟ اگر ہزاروں گلِ نیلوفر دریائے عشق میں ڈوبیں سورج کو کیا پروا؟ غرض اسی وضع کے اور ذکر نکال کر اُس کے غصّے کو ٹال کر بھلاوے میں ڈال کر۔ ہاتھ لے کر اُس مکان کی روش پر

کہ جس میں تاج الملوک رہتا تھا آکر پھرنے لگی + اتنے میں آواز دردناک اُس مریض عشق کی بکاؤلی کے کان میں پہنچی۔ سُن کر بے چین ہوئی۔ آخر رہ نہ سکی۔ روح افزا سے پوچھا۔ کہ یہ کس کی صدا ہے؟ اُس نے کہا۔ کہ ایک تسکار نو گرفتار نالاں ہے۔ آ تجھے اُس کا تماشا دکھاؤں۔ اور اچھی طرح سے اس کی آواز سُناؤں +

غرض بکاؤلی کو دھوکا دے کر شاہزادے کے آگے لاکر کھڑا کر دیا + تاج الملوک سے دوچار ہوتے ہی اختیار کی باگ اُس کے ہاتھ سے چھُٹ گئی۔ اور جنس صبر و قرار کی لُٹ گئی۔ وہ بھی آتشِ شوق کا جلا ہوا۔ صبر نہ کرسکا۔ دوڑ کر اُس چشمۂ خوبی سے بے اختیار لپٹ گیا۔ بکاؤلی نے بھی اپنے ہاتھ اُس کی گردن میں حمائل کر دئے۔ پھر تو دونوں جلے ہوئے آتشِ فراق کے دل کھول کر روئے۔ اور غم جُدائی کے دفتر اپنے اپنے خوب دھوئے + روح افزا یہ حالت دیکھ کر ٹھٹھا مار کر ہنسی۔ اور کہنے لگی بہینا۔ تو تو اب تک دُنیا سے واقف نہیں۔ بیگانے مرد کا بھی مُنہ آج تک دیکھا نہیں۔ پھر اس نامحرم مردوے کے گلے لگ کر زار زار کیوں روتی ہے۔ اور اُس کے غم سے اپنا ننھا سا جیو راکس لئے کھوتی ہے؟ تو نے میرے چچا کا نام ڈبویا۔ اور سارے کُنبے کو کلنک کا ٹیکا لگایا +

یہ بات سُن کر بکاؤلی نے کہا۔ اے روح افزا! اگر تو نے مجھ سینہ فگار کے زخم پر مرہم لگایا ہے۔ تو ناخن طعن سے نہ چھیل۔ اور جو شربت دیدار پلایا ہے۔ تو زہرِ ملامت نہ کھلا + اب تو تجھ پر میرا راز بالکل ظاہر ہوگیا۔ اور پردہ کھُل گیا۔ میرے حق میں جو تو چاہے سو کر۔ مختار ہے + القصہ وہ عندلیب شیدا اور وہ گُلِ رعنا چمنِ نشاط میں بخوبی ہنسے اور بولے۔ اور اپنے اپنے اشتیاق کے ہر ایک نے دفتر کھولے +

بکاؤلی کی روانگی کا دن آپہنچا۔ تاج الملوک پھر بستر بے قراری پر گرا۔ اور

ماہیِ بے آب کے مانند تڑپنے لگا + یہ حالت دیکھ کر اُس نے بھی چاہا۔ کہ ویسا ہی اپنا حال بناتے۔ کہ روح افزا بولی۔ زنہار اے بہن یہ حرکت نہ کرنا۔ ناحق رسوائی ہوگی۔ اور جگ ہنسائی۔ چند روز اور صبر کر۔ اور خاطر جمع رکھ۔ ماں باپ کی فرماں برداری کر۔ اور جنابِ الٰہی میں گریہ وزاری۔ پھر دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اور میری سعی کوشش کیا دکھاتی ہے + بکاؤلی یہ سُن کر چار و ناچار گلستانِ ارم کو گئی۔ اور ماں باپ کی خدمت میں مشغول ہوئی +

حسن آرا کی امداد

کہتے ہیں جب بکاؤلی روح افزا سے رخصت ہو کر اپنے گھر گئی۔ روح افزا نے شاہزادے اور بکاؤلی کے عشق کی تمام و کمال کیفیت اپنی ماں سے ظاہر کی + حسن آرا یہ سُن کر دیر تک گریبانِ تفکر میں سر ڈالے رہی۔ پھر سوچ کر بولی۔ اگرچہ ناتا رشتہ آدمی کا پری سے ہونا نہایت محال ہے۔ لیکن اُس نے میری بیٹی کو قید شدید سے چھڑایا ہے۔ مجھ کو لازم ہے۔ کہ میں بھی اُس کو زندانِ غم و الم سے چھڑاؤں۔ اور مطلب کو پہنچاؤں +

یہ کہہ کر اُسی وقت ایک مصور شبیہ کش چالاک دست کو بُلا کر شاہزادے کی تصویر کھچوا کر گلستانِ ارم میں لے گئی۔ اور فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے ملی۔ بلکہ چند روز وہیں رہی + ایک دن کا مذکور ہے۔ کہ جمیلہ خاتون سے باتیں کرتے کرتے مطلب کی بات پر آئی۔ اور اس وضع سے کہنے لگی۔ اے بہن اگر کوئی غنچہ رنگین آب و ہوا کے فیض سے کسی شاخ میں لگے۔ اور اُس کے پاس بلبل نہ بیٹھے تو اُس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ اور اگر آبدار موتی کسی کے ہاتھ لگے۔ اور وہ اُس کو رشتے سے الگ رکھے۔ تو عقل سے باہر ہے + کب تک

تو بکاؤلی کو کواری بالی رکھے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اُس زہرہ جبین کو کسی ماہرو کے
پہلو میں بٹھا۔ اور اُس غنچۂ خوبی کو مونس بہار کا بنا +

جمیلہ خاتون نے یہ سُن کر کہا اے حسن آرا تو نے سُنا ہوگا۔ کہ اس نے آدم زاد
سے دل لگایا ہے۔ اور اُسی کا سودا اس کے سر میں سمایا ہے۔ اپنے ہمجنس کو نہیں
چاہتی۔ اور غیر جنس کے واسطے دن رات کراہتی ہے+ میں اس امر میں ناچار ہوں۔
بزرگوں کا چلن کیوں کر چھوڑوں۔ اور اس علامہ کی خواہش سے قدیم سلسلے کو کس
طرح توڑوں؟ اپنے کفو کے ہوتے غیر قوم میں کس نے کیا ہے جو میں کروں؟ پری
کا آدمی سے کبھی بیاہ ہوا ہے کہ میں بیاہوں؟

حسن آرا نے کہا سچ کہتی ہے۔ لیکن تو حضرت انسان کے کمالوں سے اگر
واقف ہوتی۔ تو ایسے ایسے خیال فاسد دل میں ہرگز نہ لاتی۔ سُن اے نادان بشر
خلیفۂ یزداں ہے۔ اور اُس کی صنعت بے پایاں ہیں+ اشرف اور افضل ہے۔
اُس کے رُتبوں اور درجوں کی انتہا نہیں۔ وہ ایک نہنگ ہے۔ دریا کا بہنے والا۔
اور ایک قطرہ ہے حقیقت میں دریا ہے۔ جامع کمالات علم کونی والٰہی کا یعنی مادیات
اور مجردات کا۔ اور مجمع ہے مراتب بندگی اور بادشاہی کا ؎

انسان کی ذات برزخ جامع ہے بے گماں۔ ظلِ خدا و صورتِ خلق اُس میں ہے عیاں +

جان کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کے نوعوں میں سے باری تعالےٰ کے
ایک ایک اسم اور صفت کا مظہر خاص جانتے ہیں۔ اور اس عالم صورت کو کہ
حواس ظاہری اور باطنی سے نسبت رکھتا ہے۔ اُس عالم کا سایہ۔ پس ہر ایک ذرہ
فرد کائنات سے روشن ایک تجلی ابدی اور سیراب ایک قطرہ سرمدی سے ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقِ دفتریست معرفتِ کردگار +

اس عالم میں انسان کہ سارے افراد کون و فساد اُس کے لازمی ہیں۔ خدا

کے سارے اسموں اور صفتوں کا مصدر ہے۔ اور اُس کی تجلیات خاص کا مقام۔کلام فضیلت انسان میں دریائے بے پایاں ہے۔ اس قدر پر اکتفا کیا۔ اے جمیلہ خاتون۔ وہ اصل اور ہمارا وجود طفیلی۔ وہ مخدوم اور ہم خادم۔ زہے شرف کہ شریف ہم سے ارادہ وصلت کا کرے۔ اور مخدوم خادم سے قصد قربت کا رکھے ❊

القصّہ اس آب و تاب سے انسان کی تعریف کر کے فضیلتوں کا بیان کیا۔ کہ اُس کا شعلۂ غضب بجھ گیا۔ کہنے لگی اچھّا اُس بداطوار بدکردار کا ذکر نہ کیجیو۔ کہ اپنی بیٹی ہرگز اُسے نہ دونگی۔ اور ایسے خائن کو اپنی دامادی میں کبھی نہ لونگی ❊

آخر حسن آرا نے تاج الملوک کی تصویر جمیلہ خاتون کے ہاتھ میں دی۔ اور کہا یہ تصویر شرقستان کے شاہزادے کی ہے۔ دیکھ ایسا نقشہ قلم تقدیر نے صفحہ عالم پر آج تک نہیں کھینچا۔ اور اس پریزاد کا چہرہ ورق جہان پر دوسرا نہیں بنایا + اس یاسمن گلشن محبوبی کو اُس گل خوبی کے ساتھ ملا۔ اور اس زہرۂ فلک حُسن کو اُس ماہ برج سعادت کے پہلو میں بٹھا ❊

الغرض وہ چار و ناچار راضی ہوئی۔ کہنے لگی بھلا اس کو کہاں ڈھونڈوں۔ اور کس تدبیر سے لاؤں؟ حسن آرا نے کہا تم خاطر جمع سے شادی کی تیّاری کرو۔ میں اُس کو فلانی تاریخ دولھا بنا کر برات سمیت لئے آتی ہوں + یہ کہہ کر رخصت ہوئی۔ پل مارتے ہی جزیرۂ فردوس میں آپہنچی۔ اور ذکر من عن شاہزادے کے آگے کیا ❊

تاج الملوک اور بکاؤلی کا بیاہ

جمیلہ خاتون نے جو گفتگو کہ حسن آرا میں اور اُس میں ہوئی تھی۔ فیروز شاہ سے جا کر اظہار کی۔ اور تصویر شاہزادے کی دی + اُس نے سمن رو کے ہاتھ

بکاؤلی کے پاس بھیج دی۔ کہ یہ تصویر شرقستان کے شاہزادے کی ہے۔ بالفعل اس زمانے میں ایسا جوان حسین کہیں نہیں۔ تو کہ ایک آدم زاد کے سودے میں دیوانی ہو رہی ہے۔ اور جان لطیف ایک خاکی کثیف کے پیچھے کھو رہی ہے۔ تیری مرضی ہو۔ تو اس کے ساتھ بیاہ کر دوں۔ میری دانست میں تو نوع انسان میں ایسا شخص کمتر ہوگا۔ بلکہ پریوں میں بھی حرف ہے ٭

وہ خوشی خوشی تصویر لئے ہوئے شاہزادی کے پاس آئی۔ اور بادشاہ کی زبانی جو حقیقت سُنی تھی۔ کہہ کر سُنادی۔ اُس محو جلوۂ ناز نے اُس کو نگاہِ غور سے دیکھا۔ تو اپنے ورقِ دل کی صورت کے مطابق پایا۔ بلکہ خط و خال میں بھی سرِ مو فرق نہ دیکھا۔ جی میں سمجھی کہ یہ کارپردازی اور نیرنگ سازی بہن روح افزا کی ہے۔ واقعی وہ چھتیسی اپنے قول کی بڑی سچی ہے۔ مُسکرا کر سمن روپری سے کہا۔ کہ دیکھ تجھے میرے سر کی قسم۔ یہ اُسی شخص کی تصویر ہے۔ جس کے خزانِ غم سے میرا گلِ نارسیدہ کُملایا ہے۔ اور غنچۂ نو دمیدہ مُرجھایا ہے۔ وہ ملاحظہ کر کے بے اختیار مارے خوشی کے اُچھل پڑی۔ اور بولی ہاں شاہزادی بے شک یہ تصویر شاہزادے کی ہے۔ لو اب ہنسو بولو خوشیاں کرو۔ جو تمہارا مطلب تھا سو خدا نے پورا کیا ٭

یہ کہہ کر بادشاہ کے حضور میں آئی۔ اور یوں عرض کی۔ کہ حضرت فرزند اں کہ ماں باپ کے تابع ہیں۔ اُن کی سعادت مندی اسی میں ہے۔ کہ والدین کی مرضی کے خلاف نہ کریں۔ اور ہر حال میں اُن کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھیں۔ اگر دیو اُن کے پسند پڑے۔ تو بیٹی اُس کو غلمان سمجھے۔ اور جو وہ ایک سیاہ اُس کے واسطے تجویز کریں۔ تو اُس کو ماہِ کنعاں جانے ٭

فیروز شاہ اُس کی گفتگو سے نہایت شاد ہوا۔ اور شادی کی تیاری کا حکم دیا۔ تمام جزیرہ ارم کی دکانوں کو نقش و نگار تازہ سے آرائش دی۔ اندر باہر سے

نئے فرش بچھ گئے۔ ناچ رنگ ہونے لگا۔ چار طرف شادی کی دھوم مچ گئی۔ جابجا رقعے بھجوائے۔ پریوں کے غول کے غول چاروں طرف سے آئے۔ مجلس نشاط آراستہ ہوئی۔ شراب چلنے لگی۔ تورے جانے لگے۔ لوگ ضیافتیں کھانے لگے۔ فیروز شاہ ہر ایک کے رتبے کے موافق اُس کی خاطرداری اور مہمان داری آپ بھی کرتا تھا۔ اہلکار جو اس کام پر متعین تھے۔ اُن پر غافل نہ رہتا تھا۔ آغاز کار کا انجام بخوبی ہوا۔ اور جزیرۂ فردوس میں مظفر شاہ نے بھی اسی طرح سے تاج الملوک کی شادی کی تیاری اور لوگوں کی مہمان داری شروع کی۔ پھر بروز معین وزیروں امیروں کو حکم کیا۔ کہ لباس نئے رنگین پہنیں۔ اور سرداران لشکر کو بھی کہہ دیں۔ مع فوج آراستہ ہوں۔ اور محل میں حسن آرا نے بھی اپنی مصاحبوں اور خواصوں کو بآئین شائستہ آراستہ کیا۔ اور آپ نیا لباس اور زیور جواہر کا پہنا۔ اُس کے بعد شُبھ گھڑی نیک ساعت دیکھ کر شاہزادے کو ایک جڑاؤ چوکی پر بٹھا کر شاہانہ جوڑا پہنایا۔ شملہ سر پر رکھ کر پیچھے گوشوارہ۔ آگے موتیوں کا سہرا۔ اور اُس پر پھولوں کا سہرا باندھا۔ جیغہ کلغی سرپیچ لگایا۔ طرہ رکھا۔ گلے میں موتیوں کی بدھی پہنائی۔ مرصع کے نورتن بازوؤں پر باندھے۔ پھر ایک پری پیکر گھوڑے کے کنگا کھمنی ساز لگا کر موتیوں کا سہرا باندھ کر اُس پر سوار کر دیا۔ اس کے بعد مظفر شاہ کئی بادشاہ سمیت۔ شاہزادے کو بیچ میں لئے۔ امیر اور سردار داہنے بائیں۔ اور آگے نوبت نشان کے تخت رواں۔ شتر سوار تلنگوں کی کمپنیاں پیادوں کی پلٹنیں باجے بجاتے ہوئے۔ خاص بردار برچھی بردار بان برداروں کے غول سواروں کے پرے۔ آتش بازی چھٹتی ہوئی اور آرائش لٹتی ہوئی۔ اور پیچھے پیچھے زنانی سواریاں۔ اس طرح بیاہنے چڑھا۔ اور جزیرۂ ارم کو روانہ ہؤا ✣

یہاں بکاؤلی کو آراستہ کیا

پرستاروں نے یہ اُس کو بنایا — جہاں میں حور جنت کر دکھایا ✣

عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی۔ کہ بکھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی +
لپٹ آئی جو اُن زُلفوں کی بک با۔ ہوئی کافور بُوئے مُشکِ تاتار +
کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی۔ کہ سب اہلِ نظر کی جان لوٹی +
جب اُس کی موتیوں کی مانگ بھردی۔ فلک نے کہکشاں قربان کردی +
چُنی جب اُس کی پیشانی پہ افشاں۔ قمر پر ہوگئے تارے نمایاں +
جو ٹیکا اُس کے ماتھے پر لگایا۔ قمر نے اپنے دل پر داغ کھایا +
برنگِ مہرِ تاباں تھا جو چہرا۔ ہوا تارِ شعاعی مُنہ پہ سہرا +
حسامِ ابروِ پُرخم بلا تھی۔ یہ کہئے اُس کے قبضے میں قضا تھی +
وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی۔ چِقِ مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی +
جب اُس کے کان میں پہنایا جُھمکا۔ پریشاں ہوگیا عقدِ ثریا +
پہن کر نتھ خوشی سے رنگ دمکا۔ وہ کھڑا چاند سا گھونگھٹ میں چمکا +
مِسی آلودہ دنداں پیارے پیارے۔ چمکتے تھے شبِ یلدا میں تارے +
مِسی مل کر جب اُس نے پان کھایا۔ یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سُنایا +
مِسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے۔ تماشا ہے تہِ آتش دُھواں ہے +
بنایا خال کاجل سے ذقن پر۔ عجب جوبن تھا اُس رشکِ چمن پر +
چڑھی منہ پر دُلھن کے ایسی شیریں۔ کہ پھیکی پڑ گئی نظروں سے شیریں +
گلے میں پہنا جب موتی کا مالا۔ بنات النعش کو حیرت میں ڈالا +
اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے۔ زرِ خالص کے زیب پا چھڑے تھے +
بہت اس کے سوا بھی اور گہنا۔ مناسب جس جگہ تھا اُس نے پہنا +
کفِ رنگین میں دزدِ حنا تھی۔ چُرانے کو دلِ عاشق بلا تھی +
نہ چھپتی تھی لطافت سیم تن کی۔ نمایاں صاف تھی رنگت بدن کی +

نظر جس کی پڑی اُس پر وہ بولا — شفق میں دیکھنا کیسا چاند نکلا +

مغرّق ایسا پہنا پائے جامہ — کہ جس کی مدح میں عاجز ہے خامہ +

لباس و زیور و حُسن و ادا کا — بیاں سب کا کروں کب ہے یہ یارا +

جو تھا ذی رُوح وہ تھا محوِ دیدار — جسے دیکھو بنا تھا نقشِ دیوار +

القصّہ جب برات قریب پُہنچی۔ تب فیروز شاہ نے کئی ارکانِ دولت استقبال کے لئے بھیجے۔ وہ نہایت تعظیم و تکریم سے لے آئے + اور جس جگہ مجلسِ نشاط و محفلِ انبساط برپا تھی۔ وہاں ہر ایک کو بڑی تعظیم و تواضع سے بٹھایا۔ آتش بازی چھٹنے لگی۔ اور آرائش لُٹنے لگی۔ اور حُسن آرا کے ساتھ اسی سلوک سے جمیلہ خاتون پیش آئی۔ سارے طریقے سمدھنوں کے بجا لائی +

غرض پچھلے پہر تک ناچ رنگ کی صحبت رہی۔ اس کے بعد دس گوہرِ یکتا پر اُس لعلِ بے بہا کے ساتھ عقد باندھا۔ مبارک سلامت کا اندر باہر غُل پڑ گیا۔ پھر شربت پلانے لگے۔ شربت پلائی لینے لگے۔ گوٹوں کے اور پھولوں ہار پہنانے لگے۔ الائچیاں اور چکنی ڈلیاں عطر کی شیشیاں دینے لگے +

اس کے بعد دولھا کو گھر میں بُلایا۔ اور دُلھن کو لا کر دولھا کے پاس شہانی مسند پر بٹھایا۔ نبات چُنوا کر ٹونے گا کر آرسی مصحف دکھا دولھا کو باہر رخصت کیا۔ دُلھن کو ملنے کے لئے گود میں اُٹھا کر لے گئے۔ جہیز نکلنے لگا + اُدھر فیروز شاہ نے ایک مکان عظیم الشان کہ تخت گاہ سے قریب تھا بیٹی داماد کے رہنے کو نہایت تکلف سے سجوا دیا + جب سب جہیز نکل چکا۔ اور برات کے چلنے کی تیاری ہوئی۔ پھر دولھا کو گھر میں بُلایا۔ ڈیوڑھی میں چھپان لگایا + دولھا نے دُلھن کو گود میں لا کر چھپان میں سوار کیا۔ پھر آپ اُسی پری پیکر گھوڑے پر سوار۔ ہر ایک چھوٹا بڑا جلو میں چلنے کو تیار ہوا + اُسی طرح آگے آگے تختِ رواں۔ شتر سوار پیادے۔ اور سوار بے شمار۔ نقارچیوں

کی قطار۔ روشن چوکی والے گاتے بجاتے ہوئے۔ اور مہتمم دُلھن کی سواری پر سے چاندی سونے کے پھول لُٹاتے ہوئے اُسی مکان پر پُہنچے + ہر ایک براتی اپنے اپنے گھر سدھارا۔ کہاروں نے دُلھن کا جھپان اُتارا +

صبح ہوئی مُرغ نے بانگ دی۔ رُوح افزا اُس عشرت گاہ میں آئی۔ بکاؤلی کو جگایا۔ باہم ہنستیاں بولتیاں رہیں۔ آخر روح افزا اپنے ماں باپ سمیت رخصت ہوکر اپنے گھر گئی اور تاج الملوک نے فیروزشاہ کے محل میں جاکر اپنی بود و باش اختیار کی +

تاج الملوک اور بکاؤلی کی رخصت

ایک روز تاج الملوک نے بکاؤلی سے مشورت کرکے فیروزشاہ اور جمیلہ خاتون سے رُخصت مانگی + اُنھوں نے کہا بہت بہتر۔ ہزار غلام قمر طلعت اور سیکڑوں لونڈیاں خوب صورت عنایت کیں۔ اور دان جہیز کے سوا کچھ نقد و جنس اور لوازمہ سفر کا دیا۔ اگر اُس کی تفصیل لکھوں تو یقین ہے۔ کہ ایک کتاب اور تیّار ہو جائے۔ اس لیئے قلم انداز کیا +

القصہ شاہزادہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے بکاؤلی کو لے کر اپنے ملک پہنچا۔ دلبر اور محمودہ کی جان میں جان آئی۔ کشتِ اُمید سوکھی ہوئی پھر لہلہائی + اُس کا آنا ان کے حق میں ایسا ہوا۔ جیسے بیمار کے واسطے مسیحا کا آنا۔ لیکن بکاؤلی کو جو اس حُسن و جمال اور مال و منال سے دیکھا حیران ہوگئیں۔ آئے ہوش جاتے رہے۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ پری نے جو یہ رنگ ڈھنگ دیکھا۔ ہر ایک کو گلے سے لگایا۔ دلاسا دیا +اور فرمایا۔ کہ تم خاطر جمع رکھّو کسی کا اندیشہ نہ کرو + چنانچہ ہمیشہ شیر و شکر کی طرح آپس میں ملی جُلی رہیں۔ اور سَوتاپے کی جلن کسی کو نہ ہوئی + شاہزادہ بھی ان غنچہ دہنوں کے ساتھ شگفتگی سے اوقات بسر

کرنے لگا اور عیش وعشرت سے رہنے لگا ؛

راجہ اندر کا اکھاڑا

اہلِ ہند اپنی کتابوں میں یوں لکھتے ہیں۔ کہ امرنگر نام ایک شہر بستا ہے۔ وہاں کے باشندے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اور راجہ اندر وہاں کا راج کرتا ہے ؛ اُس کا کام ہی ہے۔ اور غذا اُس کی ناچ اور راگ ہے۔ عالمِ جنات بھی اُس کے تابع ہیں۔ ساری پریاں اُس کی مجلس میں جاتی ہیں۔ اور رات بھر ناچتی گاتی ہیں ؛

ایک رات کا ذکر ہے۔ کہ راجہ اندر نے فرمایا۔ بکاؤلی فیروز شاہ کی بیٹی مدت سے ہماری مجلس میں نہیں آئی۔ اس کا سبب کیا ہے۔ اور یہاں کے آنے کا مانع کون ہے ؛

پریوں میں سے ایک نے عرض کی کہ وہ ایک انسان کے دامِ عشق میں گرفتار ہوتی ہے۔ بلبلِ بے قرار کی مانند نالہ و فریاد کیا کرتی ہے۔ اور مدام اُس کے عشق میں سرشار رہا کرتی ہے ؛

راجہ یہ ماجرا سُن کر غصّے میں آیا۔ اور شعلۂ غضب اور بھی بھڑکا۔ کئی پریوں کی طرف اشارا کیا۔ کہ اُس کو اسی وقت حاضر کرو۔ وہ تختِ رواں لے کر تاج الملوک کے باغ میں آئیں۔ اور بکاؤلی کو جگا کر راجہ کے اعتراض اور غضب ناک ہونے کا حال بیان کیا ؛

وہ چار ناچار اُس پر سوار ہو کر امرنگر کو گئی۔ اور وہاں کانپتی ہوئی راجہ کے سامنے آکر آداب بجا لائی۔ ہاتھ باندھ کر کھڑی رہی ؛ مہاراج نے نگاہِ قہر سے اُسے دیکھا۔ اور بہت سا جھڑکا۔ آخر فرمایا کہ اس کو آگ میں ڈال دو۔ کہ انسان کے بدن کی بُو باس اس میں نہ رہے۔ اور یہاں کی صحبت کے قابل ہو ؛

پریوں نے فوراً اُس نسترن باغ لطافت کو اور یاسمن چمنِ نزاکت کو ہاتھوں ہاتھ وہاں سے باہر لاکر آتش کدے میں ڈال دیا۔ وہ جل کر راکھ ہوگئی ؎

جل گیا عاشق تو کیا غم ہے کہ اُس کی چشم تر ۔ دیکھتی ہے یار کو گلشن میں مانندِ خلیل

اس کے بعد پانی پر کچھ منتر پڑھ کر اُس پر چھڑکا۔ فی الفور جی اُٹھی۔ او ہیئت اصلی پہ آکر مجلس میں ناچنے لگی۔ پہلی ٹھوکر سے اہلِ مجلس کے دلوں کو پامال کیا۔ اور ایک ہی آمد و رفت میں تماشائیوں کو بے حال کیا۔ غرض ناچنے کا جو حق تھا۔ ادا کیا۔ ساری مجلس کو محو کر دیا۔ پھر تو واہ واہ کی صدا ہر ایک کے مُنہ سے نکلنے لگی۔ اور آفرین اور تحسین کی آواز ہر طرف سے بلند ہوئی۔

بکاؤلی آداب بجالاکر راجہ سے رخصت ہوئی تخت پر بیٹھ کر اپنے باغ میں آئی۔ گلاب کے حوض میں نہا دھو کر سو رہی۔ صبح کو اپنے معمول پر اُٹھی۔ سنگار کیا۔ لوگ بھی اندر باہر گئے۔ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ القصہ ہر شب وہ غیرتِ ماہ امرنگر میں جاتی۔ پہلے تو اُسے آگ میں جلاتے۔ پھر راجہ کے حضور میں ناچتی گاتی۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہتی۔ رخصت ہو کر اپنے گھر آتی ؎

جلاتی تھی تنِ نازک کو ہر شب ۔ نہ کُھلتے تھے شکایت کو کبھی لب

وہ عاشق سے نہ کرتی تھی کنارا ۔ فراق اُس کا نہ تھا ہرگز گوارا

جو جل مرنے کو اپنے دل پہ ٹھانے ۔ وہ ہر آتش کدے کو آب جانے

گوارا ہوتی ہے سب نارِ سوزاں ۔ سہا جاتا نہیں پرسوزِ ہجراں

جسے ہو شمع رویوں کی محبت ۔ اُسی سے پوچھئے جلنے کی لذت

مگر شاہزادے کو ہرگز اس بات کی خبر نہ تھی۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ بکاؤلی تو اپنے معمول پر وہاں گئی تھی۔ یہاں شاہزادے کی آنکھ کھل گئی۔ پلنگ پر اُسے نہ دیکھا۔ ہر طرف قصر اور باغ میں جاکر ڈھونڈھا کہیں

اُس کا سُراغ نہ ملا۔ نہایت ہتنگ ہو کر اپنے خلوت کدے میں آ بیٹھا۔ اور یہاں تک اُس بُتِ رشکِ چین کی راہ دیکھی۔ کہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ آخرش اسی حالت میں سو گیا +
بکاؤلی بھی اپنے وقت پر آ کر سو رہی + صبح کو تاج الملوک نے جو اُس کو سوتے دیکھا۔ زیادہ تر متعجب ہُوا۔ لیکن دم نہ مارا۔ اُس راز کو مطلق نہ کھولا۔ مگر اُس کی تحقیقات کے واسطے دوسری رات کو اپنی ایک اُنگلی چیر کر نمک چھڑک دیا۔ کہ مبادا آنکھ لگ جائے۔ اور وہ بھید چھپے کا چھپا رہے +

تاج الملوک اندر کے اکھاڑے میں

غرض آدھی رات گئے تخت پھر آ کر موجود ہوا۔ بکاؤلی اُٹھ کر بناؤ کرنے لگی۔ اور شاہزادہ بھی چھپے چھپے جا کر اُس تخت کا پایا پکڑ بیٹھ رہا + اتنے میں وہ بھی آ کر سوار ہوئی۔ اور پریاں اُس کو لے کر اُڑیں۔ تاج الملوک اُسی پائے میں لٹک گیا پھر اس قدر بلند رہا۔ کہ زمین اُسے نظر آنے سے رہ گئی + جھٹ پٹ راجہ اندر کے دروازے پر جا کر اُتار دیا۔ بکاؤلی اُتر کر ایک طرف کھڑی ہو رہی۔ اور یہ بھی الگ ہو کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھنے لگا + غرض جس طرف آنکھ پڑتی تھی۔ اُدھر پریوں کا جھرمٹ نظر آتا تھا۔ اور ہر طرف آواز قسم قسم کے سازوں کی اور راگوں کی جو تمام عمر نہ سُنی تھی متصل چلی آتی تھی + حاصل یہ ہے۔ کہ تاج الملوک نے وہ کچھ دیکھا جو کہیں نہ دیکھا۔ اور وہ سُنا جو کہیں نہ سُنا تھا۔ دنگ ہو کر رہ گیا + اتنے میں کئی پریاں دوڑیں اور بکاؤلی کو آتش کدے میں ڈال دیا۔ وہ جل کر راکھ ہو گئی + وہ اس حادثے کو دیکھ سب بھول گیا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا۔ اور جی میں یوں کہنے لگا۔ حیف ہے اس وقت طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ کہ پروانے کے مانند اس شمع رو کے ساتھ جلتا۔ اور اپنے بدن کو راکھ کر کے اُس سے ملتا + کیا کروں کچھ بس نہیں۔ نہ قدرت فریاد کی

ہے۔ نہ جگہ داد کی ٭

یہ تو اسی اُدھیڑ بُن میں رہا۔ کہ اُنہیں میں سے ایک پری نے پانی پڑھ کر اُس کی راکھ پر چھڑکا۔ فی الفور زندہ ہوئی۔ اور راجہ کی مجلس میں آئی٭ شاہزادہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ از بس کہ ازدحام تھا۔ کوئی کسی کو پہچانتا نہ تھا۔ کسی نے نہ جانا کہ یہ کون ہے۔ اور کیوں کھڑا ہے٭ اتفاقاً بکاؤلی کا پکھاوجی ضعیف تھا۔ ناتوانی کے سبب اچھی طرح بجا نہ سکتا تھا۔ وہ رُک رُک کے ناچتی تھی۔ اور بار بار تیوری چڑھاتی تھی٭ شاہزادہ یہ حال دیکھ کر بے چین ہوا۔ آخر رہ نہ سکا سازندے کے کان میں جُھک کر کہا۔ اگر تیری مرضی ہو تو ایک دو گتیں میں بجاؤں۔ کہ اس کام میں چالاک دست ہوں٭ اُس نے اس بات کو غنیمت جانا۔ پکھاوج کو حوالے کیا۔ یہ تو اس کام میں بانی کار اور اُس کے دامِ محبّت میں گرفتار تھا۔ اُس کی خواہش کے موافق بجانے لگا٭ پھر تو کیفیت ناچ کی ایسی بڑھی۔ کہ در و دیوار سے واہ واہ کی صدا آنے لگی۔ راجہ بھی یہاں تک محظوظ ہوا۔ کہ اپنے گلے کا نولکھا ہار اُتار کر بکاؤلی کو عنایت کیا٭ وہ ناچتے ناچتے جو پیچھے ہٹی۔ بجنسہ پکھاوجی کے حوالے کیا٭

اس کے بعد مجلس راگ رنگ کی برخاست ہوئی۔ شاہزادہ جس طرح گیا تھا۔ اُسی طرح اپنے باغ میں آیا۔ بکاؤلی گلاب کے حوض کی طرف گئی۔ یہ خواب گاہ میں جا کر سو رہا۔ لیکن صبح کے وقت مُسکراتا تھا٭ پری نے پوچھا کہ خلاف عادت مُسکرانے کا کیا سبب ہے؟ کہا کہ رات کو عجیب خواب دیکھا ہے۔ اس واسطے ہر گھڑی مجھے ہنسی آتی ہے٭ وہ کہنے لگی خدا خوب کرے۔ مگر میں سنوں کیا دیکھا ہے؟ تاج الملوک بولا یہ دیکھا ہے۔ کہ آدھی رات کو تو کہیں جاتی ہے۔ اور مجھے خبر نہیں کرتی٭ بکاؤلی یہ سُن کر ڈری۔ کہ مبادا یہ بھید اس پر کھلا ہو۔ اور احیاناً یہ بھی میرے ساتھ وہاں گیا ہو٭ بجد ہوئی کہ سب سُنے۔ پھر کہنے لگی۔ اور بھی کچھ

دیکھا یا نہیں؟ شاہزادہ بولا گویا آج کی رات میں بھی تیرے ہمراہ گیا ہوں۔ اس طرح کہ پریاں ایک تخت لائیں۔ تو اُس پر سوار ہوئی۔ اور میں پائے سے لٹکا ہوا چلا گیا۔ بس آگے نہیں کہتا۔ کہ خواب کی بات بے سر و پا ہوتی ہے۔ اعتبار نہیں رکھتی۔ خواب و خیال ہے۔ بے فائدہ کون بکے +

بکاؤلی بولی کہ تجھے میرے سر کی قسم جو دیکھا ہے۔ سب کہہ ؟ غرض تاج الملوک تھوڑا کہتا۔ پھر خاموش ہو رہتا۔ اور وہ قسمیں دے دے کر پوچھتی جاتی۔ آخر سارا ماجرا اُس نے آخر تک ہو بہو کہہ کر سُنایا۔ اور وہ ہار راجہ کا بخشا ہوا تکئے کے نیچے سے نکال کر دکھلایا + تب پری نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور سُن ہوگئی۔ ایک دم کے بعد بولی۔ اے شاہزادے یہ تو نے کیا کیا اپنا دُشمن تو آپ بنا۔ دیکھ میں نے تیری خاطر ماں باپ کے ہاتھ سے کیا کیا رنج اُٹھائے۔ اور ہر کس و ناکس کے طعنے کھائے۔ یہاں تک کہ ہر رات آگ میں جلنا قبول کیا۔ مگر تجھے نہ چھوڑا۔ اور تیری راہ سے مُنہ نہ موڑا۔ چنانچہ تو نے آنکھوں سے بھی یہ تماشا دیکھا۔ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ کاش کہ تو اس مجلس میں نہ جاتا۔ اور اپنے گھر میں میری جُدائی کا صدمہ اُٹھاتا۔ تو بہت بہتر تھا۔ کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں + اب حیران ہوں اگر تجھے نہ لے جاؤں تو بنتی نہیں۔ جو لے جاؤں تو کہاں تک چھپائے رکھوں۔ خیر جو کچھ تقدیر میں ہے سو ان مٹ ہے + مگر آج اپنا طالع آزماتی ہوں۔ تجھے لے جاتی ہوں۔ اپنی کر گزرتی ہوں آگے جو مرضی خدا کی +

چنانچہ معمول کے وقت تاج الملوک سمیت گئی۔ اور راجہ سے سلام مجرے کے بعد عرض کی۔ کہ آج ایک بجانے والا بہت چالاک اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اگر حکم ہو تو یہاں آکر بجائے + راجہ نے فرمایا بہت اچھا۔ ہماری عین خوشی ہے۔ الغرض وہ بجانے لگا۔ اور وہ نازنین ناچنے لگی + آخر یہ کیفیت ہوئی کہ ساری محفل

غش کر گئی۔ راجہ بھی مست ہو کر جھومنے لگا۔ اور اُسی عالم میں فرمایا مانگ جو مانگا چاہتی ہے۔ محروم نہ جائے گی +

یہ سُن کر بکاؤلی نے آداب بجالا کر عرض کی۔ کہ مہاراج کی بدولت لونڈی کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ اور کچھ ہوس دل میں باقی نہیں۔ مگر اس بکھاؤجی کو بخشئے کہ یہی آرزو ہے + سُنتے ہی اس سخن کے راجہ برہم ہوا۔ اور شاہزادے کی طرف غضب سے دیکھ کر بولا۔ کہ اے آدم زاد تو ہی اس کو چاہتا ہے۔ اور یہ تجھے چاہتی ہے۔ بہت اچھا ذرا تو اس کا مزہ چکھ۔ اور لذت اُٹھا + تو چاہتا ہے کہ بکاؤلی سی پری کو بے محنت و مشقت یہاں سے لے جاؤں۔ یہ نہ ہوگا + پھر بکاؤلی کی طرف منہ پھیر کر کہا۔ اے شتاہ۔ کیا کروں سخن تجھ سے ہار چکا ہوں۔ جا اسے تجھے بخشا۔ لیکن بارہ برس تک تیرا نیچے کا دھڑ پتھر کا رہے گا۔ یہ حرف جو اُس سنگ دل کے مُنہ سے نکلا۔ وہ سیم تن اُسی ہیئت کی ہو کر غائب ہو گئی ؎

ہیہات ازل سے ہے یہ عالم۔ شادی و غمی ہوئی ہے توام +
دم بھر کی بہارِ میہماں ہے۔ آخر وہی باغ میں خزاں ہے +
گہ سر پہ ہو تیرے تاجِ شاہی۔ گہ خاک پہ بسترِ تباہی +
گل سا کبھی دل فراغ دیکھے۔ گہ دل پہ ہزار داغ دیکھے +
دم بھر جو نشاطِ عیش ہووے۔ خمیازہ پھر اُس کا طیش ہووے +

سنگلدیپ میں

کہتے ہیں کہ بکاؤلی راجہ اندر کی بددعا سے پتھر کی ہو کر وہاں سے غائب ہو گئی اور شاہزادہ سیماب کے مانند بے تاب ہو کر لوٹنے لگا۔ تب اُس کو پریوں نے اُٹھا کر نیچے ڈال دیا۔ وہ ایک جنگل میں جا پڑا + تین روز تک بے ہوش رہا۔ چوتھے

دن جو آنکھ کھُلی۔ تو بجائے دلدار پہلو میں خار دیکھے۔ ہر طرف جا کر فریاد کرنے لگا۔ اور بکاؤلی کی خبر ہر ایک درخت سے پوچھنے لگا ٭

ایک دن اسی طرح ایک سنگِ مرمر کے تالاب پر جا پہنچا۔ چاروں طرف سیڑھیاں پاکیزہ اور خوب صورت بنی ہوئی تھیں۔ اور میوے دار درخت بھی بہت سے اُس کے گرد لگے تھے ٭ شاہزادے نے ایک ساعت وہاں دم لیا۔ پھر نہا کر ایک سائے دار درخت کے نیچے پڑ رہا۔ اور اپنی محبوبہ کے تصور میں سو گیا۔ ناگاہ کئی پریاں کہ اُس کے حال سے واقف تھیں۔ وہ بھی وہاں پہنچیں۔ اور اُسی تالاب میں بال سُکھلانے لگیں ٭ اُن میں سے ایک کی نظر جو شاہزادے پر جا پڑی۔ ساتھیوں سے کہنے لگی۔ بکاؤلی کا پکھاوجی یہی ہے ٭

تاج الملوک کے کان میں جوں ہی یہ آواز پڑی۔ آنکھیں کھول دیں۔ اور پریوں سے باچشمِ خوں بار پوچھا۔ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ بکاؤلی کہاں ہے؟ اُن کا دل اس کا حال زار دیکھ کر بھر آیا۔ بولیں۔ کہ آنکھوں سے تو نہیں دیکھا۔ مگر سُنا ہے کہ سنگلدیپ میں ایک بُت خانے میں ہے۔ مگر نیچے کا دھڑ ناف تک پتھر کا ہو گیا ہے۔ تمام دن اُس مندر کا دروازہ بند رہتا ہے۔ اور پہر رات کے بعد صبح تک کھلا ٭

شاہزادے نے پوچھا کہ وہ کس طرف ہے اور کتنی دُور ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا راہ کی مصیبت تو ایک طرف۔ آدمی اگر ساری عمر چلے جب بھی وہاں نہ پہنچے ٭

تاج الملوک یہ سُن کر مایوس ہوا۔ اور اپنی زندگی سے ہاتھ اُٹھا کر ٹکریں مارنے لگا۔ اور پتھروں سے سر پھوڑنے لگا ٭ پریوں نے اُس کے حال پر رحم کھا کر آپس میں مشورہ کیا۔ کہ اس آفت رسیدہ کو وہاں پہنچایا چاہیے۔ آگے اُس کی قسمت میں جو ہونا ہے سو ہووے گا ٭ فوراً اُسے لے کر اُڑیں۔ اور بات کی بات میں

وہاں پہنچا دیا +

ایک لمحے کے بعد اُس مایوس کو ذرا حواس آئے۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک شہر رشکِ بہشت بریں زمین پر آباد ہے۔ اور عجائب اُس کا سواد ہے + رنڈی مرد وہاں کوئی بدصورت نظر نہیں آتا۔ بلکہ درخت بھی وہاں کے ایسے قدموزوں رکھتے ہیں۔ کہ دیکھنے والے دنگ رہتے ہیں + آخر سیر کرتا کرتا بازار کی طرف جانکلا۔ راہ میں ایک برہمن پجاری ملا۔ اُس سے پوچھا کہ دیوتا تم کون سے ٹھاکردوارے کے پجاری ہو؟ برہمن نے کہا کہ راجہ چترسین جو اس مُلک کا والی ہے۔ اُس کے ٹھاکردوارے کا میں پجاری ہوں + پھر تاج الملوک نے پوچھا کہ اس شہر میں کتنے ٹھاکروں کے مندر ہیں؟ جو معروف و مشہور تھے برہمن نے بتا دئے۔ پھر یہ کہا کہ تھوڑے دنوں سے دکھن کی طرف دریا کے کنارے ایک نیا مندر پیدا ہوا ہے۔ دن بھر اُس کا دروازہ نہیں کھلتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ کہ اُس میں کیا ہے +

شاہزادہ یہ بات سُن کر خوش ہوا۔ اور اُسی طرف جا کر دریا کے کنارے مندر کے دروازے پر بیٹھ رہا + پھر رات جب گزری۔ اس استھان کے کواڑ یکایک کھُل گئے۔ تاج الملوک اندر گیا۔ دیکھا کہ بکاؤلی آدھی بصورت اصلی۔ اور آدھی پتھر کی دیوار کا تکیہ لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھی ہے۔ اس کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔ تو یہاں کیونکر آیا؟ اُس نے تمام ماجرا کہہ کر سُنایا۔ پھر ساری رات دونوں باتوں میں مشغول رہے۔ پھر صبح ہونے لگی۔ بکاولی نے شاہزادے سے کہا اب تو یہاں سے جا۔ اگر آفتاب نکل آئے گا۔ تو مجھ سا تو بھی ہو جائے گا +

اس کے بعد ایک موتی اپنے کان سے نکال کر اُس نے دیا۔ کہ بالفعل اسے بیچ کر اسباب درست کر۔ اور چندے اوقات کاٹ +

تاج الملوک لے کر اُسی شہر میں آیا۔ اور اُسے کئی ہزار روپے کو بیچ کر ایک

حویلی پختہ مول لی۔ اسباب ضروری بھی بنالیا۔ اور کئی خدمت گار نوکر رکھے + جب
رات ہوتی بکاؤلی کے پاس جاتا۔ اور صبح اپنے بیگانے ہیں آتا +

چترَاوت

اسی طرح ایک مدّت گزر گئی۔ بعضے بعضے اشخاص ہمسائے شاہزادے
کے آشنا ہو گئے تھے۔ اُس کو شہر کی سیر دکھانے لگے + ایک روز تاج الملوک اُن کے
ساتھ سیر کو نکلا تھا۔ ایک گروہ سر و پا برہنہ بحالت تباہ نظر آیا۔ شاہزادے نے
یاروں سے پوچھا۔ کہ یہ اشخاص اگرچہ بہ لباسِ فقیر ہیں۔ لیکن بہ صورت امیر معلوم
ہوتے ہیں۔ خدا جانے اس کا سبب کیا ہے؟ اُن میں سے ایک بولا۔ ان میں
بعضے شاہزادے ہیں اور کئی امیرزادے۔ لیکن سب جلے ہوئے آتش عشق اور
اشتیاق کے اور نشانے ناوک فراق کے ہیں + قصہ ان کا یوں ہے کہ راجہ
چترسین کی ایک بیٹی مہ پارہ بلکہ آسمانِ خوبی کا ستارہ ہے۔ اُس کے مانند کوئی عورت
حسین اس سرزمین میں نہیں ہے

نازِ ظاہر ہے قدِ موزوں سے۔ مے ٹپکتی ہے چشمِ میگوں سے +
سیکڑوں کُشتے اُس کی ابرو کے۔ لاکھ بندے ہیں تارِ گیسو کے +
زلف اُس کی ہے جس قدر شب گوں۔ ہے سیہ بخت اس قدر مفتوں +
امرت اور زہر آنکھیں ہیں اُس کی۔ دم میں ماریں بھی اور جلائیں بھی +
ننگ و ناموس جو کہ ہاتھ سے دے۔ اُس کے کوچے کی سمت راہ وہ لے +

قصہ مختصر ایک تو وہ آپ ہی پری پیکر قاتل گبر و مسلماں ہے۔ دوسرے اُس
کے ساتھ اور بھی دو کافرین غارت گر ایمان ہیں۔ ایک تنبولی کی لڑکی نرل نام اور
دوسری مالی کی چپلا اسم بامسمّٰی ہے + غرض تینوں آپس میں اخلاص دلی رکھتی ہیں۔

اُٹھنا بیٹھنا جاگنا سونا کھانا پینا دن رات ایک جگہ ہے۔ اور اپنے اپنے بیاہ کی بھی ہر ایک آپ مختار ہے۔ جسے پسند کرے اُسی سے ہو۔ کسی کو اس بات میں دخل نہیں۔ لیکن اب تک کوئی اُس کا منظور نظر نہیں ہوا۔ اور آنکھوں میں نہیں ٹھہرا +

شاہزادہ یہ سُن کر چُپکا ہو رہا + اتفاقاً ایک روز آوارہ بیابان عشق اُس حور سرشت کے محل کے نیچے جا نکلا۔ تماشائی اُس کے گلِ رخسار کو بلبل وار تکتے تھے۔ اور دیوانوں کی طرح آپس میں کچھ کچھ بکتے تھے۔ اور وہ پریزاد بیٹھی جھروکے سے دیکھ رہی تھی۔ کہ شاہزادہ اُس سے دوچار ہوا۔ عشق کا تیر دل کے پار ہوا + عنانِ صبر و شکیب ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ متاعِ ہوش و حواس لُٹ گئی + بے خود ہو کر گر پڑی۔ نرملا اور چپلا نے دوڑ کر اُٹھایا۔ منہ پر گلاب چھڑکا۔ عطر سونگھایا + کچھ تھوڑی ہوش آیا لیکن سکتے کی سی حالت + ہر چند اُنھوں نے حال پوچھا۔ اُس نے کچھ نہ بتایا + حیرت کو مُنہ پر اُسی طرح رہنے دیا۔ تب نرملا نے کھڑکی سے نیچے جھانک شاہزادے کو دیکھا۔ اور چترادت سے بے تابی کا سبب دریافت کیا + پھر تسلّی دے کر کہنے لگی۔ کہ اے رانی تیری بے قراری نے تو ہم کو دیوانہ بنایا۔ اور اضطرابی نے دامنِ صبر چھڑایا + اتنی کیوں گھبراتی ہے۔ اور کس واسطے آپ کو دیوانہ بناتی ہے۔ تیرے باپ نے تو بیاہ کی تجویز تجھ پر موقوف رکھی ہے۔ جس کو تو پسند کرے گی۔ اُس سے تیری شادی کرے گا + خاطر جمع رکھ۔ اس جوان البیلے سوار کو جس کو دیکھ کر تیری حالت تغیّر ہوئی ہے۔ تجھ سے ملا دوں گی۔ اگر فرشتہ ہے تو بھی تیرے دام سے جا نہیں سکتا۔ اور کوئی اُس کو چھڑا نہیں سکتا + دیکھ تو ایسے جال میں پھنساتی ہوں۔ کہ ہل نہ سکے۔ اور ایک قدم چل نہ سکے +

یہ کہہ کر ایک کٹنی اُس کے حال کی تحقیقات کو بھیجی۔ وہ عجب ایک شوخی و طنازی سے آئی۔ اور آتے ہی شاہزادے کے گھوڑے کا شکار بند پکڑ کر کہنے لگی۔ تو نہیں

جانتا کہ یہ شہر مقتل غربا ہے۔ اور یہاں عاشقوں کو سولی دینا روا ہے + یہاں کے پری رو مُرغِ زیرک تارِ زُلف میں ادا سے پھنسا لیتے ہیں۔ اور ایک نگاہِ ناز سے خاک پر گرا دیتے ہیں + تو کس جُرأت اور دلیری سے ادھر اُدھر پھرتا ہے۔ اور بادشاہوں کے محلوں کی طرف دیدہ بازی کرتا ہے؟ مگر آتش کا پرکالہ ہے۔ جو شمع رُخوں کے دل کو پگھلاتا ہے۔ اور سنگ دلوں کے کلیجے کو موم بناتا ہے + کدھر سے آیا ہے۔ اور کہاں کا رہنے والا ہے۔ اپنے حسب اور نسب اور وطن سے آگاہ کر؟

تاج الملوک اُس کی باتوں سے تاڑ گیا کہ کسی کی بھیجی ہوئی ہے۔ بولا اے چکو! بہت باتیں نہ بنا۔ میرے داغِ دل سے روئی نہ اُٹھا۔ جا۔ اپنے کسی مجروح کے زخم پر مرہم لگا + سُن وطن میرا مطلع خورشید سے روشن تر ہے۔ اور نام میرا افسر سلاطین ہے۔ دریافت کرے جس کی تو بھیجی ہوئی آئی ہے۔ اُس سے جا کر کہہ دے۔ کہ مجھ مسافر مصیبت زدہ کی طرف خیال نہ کرے۔ اور مجھ سودائی پر دھیان نہ رکھے

ے خوش جو آنے سے ہو اُس کے پاس جا - ناز اُس پر کر جو ہو خواہاں ترا +

مشاطہ جان گئی کہ وطن اس کا شرقستان ہے۔ اور نام تاج الملوک عالی نسب والا حسب ہے۔ غرض تمام حال دریافت کر کے چترا وت سے آکر بیان کیا + شاہزادہ روز پوشاک بدلتا۔ اور اُس کے جھروکے کے نیچے ہو کر نکلتا۔ چتراوت اُس کے فراق سے چودھویں رات کے چاند کی طرح گھٹنے لگی۔ چند روز تو یہ راز چھپا رہا۔ آخر شِ کھُل گیا۔ یہاں تک کہ ماں باپ نے بھی سُنا +

تب راجہ نے ایک دلّالہ بڑی ہوشیار پختہ کار بلائی۔ اور شاہزادے کے پاس بھیجی۔ کہ لڑکی کی نسبت کا پیغام اُس کو دے۔ اور اُس کے دل کو ہر طرح سے لُبھائے +

القصّہ اُس نے چتر سین کا پیغام شاہزادے کو دیا۔ اور اُس گل اندام کا حُسن

بیان کیا + اُس نے تمام و کمال سُن کر جواب دیا - کہ تو میری طرف سے بعد سلام نیاز کے راجہ کی خدمت میں عرض کرنا - کہ جو کوئی قبائے شاہی اور تاج شاہنشاہی چھوڑ کر رنج سفر اور خرقہ فقر اختیار کرے اور اپنے بیگانے سے کنارہ پکڑے - اُس کی پابندی کا خیال کرنا فی الحقیقت پانی پر نقش بنانا - اور ہوا کو گرہ میں باندھنا ہے + یہ کہا اور اُس کو رخصت کیا +

دلاّلہ نے تاج الملوک کے انکار کرنے کی کیفیت راجہ سے عرض کی + چترسین اُس کے اغماض کرنے سے متفکّر ہوا - اور وزیر سے مشورت کی - اُس نے عرض کی ایک غریب بے خانماں کو اگر بادشاہ اپنا مطیع کیا چاہتا ہے - تو کیا بڑی بات ہے + آپ دیکھتے رہیں - میں اُس کو کس گھاٹ اُتارتا ہوں +

الغرض وہ مکّار اس بات کے درپے ہوا - کہ شاہزادے کو چوری کی تہمت لگا کر گنہگار ٹھہرائے - اور اپنا کام اُس کے ہاتھ سے یوں نکالے + سچ ہے - کہ جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگوں تامّل کی نظر سے دیکھے - تو کسی چیز کو خالی شر سے نہ پاوے - اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے +

اے عزیز حق تعالےٰ نے عالم ارواح کو بدن سے رخصت دی ہے - پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت میں روح سے ہے - غرض کہ جو فساد اس عالم کون و فساد میں ہو - تو اُس کی طرف سے جان - لیکن شر نہ سمجھ - کہ در پردہ وہ خیر ہے - کیونکہ وہاں شر کی گنجائش نہیں +

القصّہ تاج الملوک کو خرچ کی احتیاج ہوئی + چاہا کہ بکاؤلی سے مانگے - اس میں وہ سانپ کا من اپنی ران کا رکھا ہوا یاد آیا - جرّاح کو بُلا کر ران چِروائی اور وہ مہرہ نکال کر زخم پر مرہم لگا دیا - جبکہ اچھّا ہوا بازار میں لے گیا - جوہری دیکھ کر حیران ہوئے - وزیر کو جا کر خبر کی - کہ ایک شخص ایسا جواہر بیچنے لایا ہے -

کہ ہم نے ساری عمر میں نہیں دیکھا۔ اور بادشاہ کے سوا کوئی بھی اُس کی قیمت دے نہیں سکتا۔ سُنتے ہی وزیر نے کئی جوان اُس کے ساتھ کر دئے۔ اور اُس غریب الوطن کو ناحق پکڑوا بُلوایا۔ دیکھا تو وہی شخص ہے۔ فی الفور اُسے چوری کی تہمت لگا کر قید کیا۔ اور راجہ کو یہ مژدہ سُنایا۔ کہ پرندہ دام توڑ کر اُڑ گیا تھا۔ آج فریب سے میں نے اُسے پکڑا۔ اب یقین ہے کہ جو آپ کہیں گے قبول کرے گا +

چتراوت سے بیاہ اور منڈر نباہ

جب شاہزادے کو راجہ چترسین نے بندی خانے میں نہایت تنگ کیا۔ کہ چتراوت سے شادی قبول کرے۔ لیکن وہ قید کی سختیاں ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔ بکاؤلی کے فراق میں دن رات چلّاتا تھا۔ اور در و دیوار سے سر ٹکراتا تھا + ایک دن وہاں کے داروغہ نے راجہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ وہ نوگرفتار مانندِ مرغِ نیم بسمل بے قرارانہ رات اور دن خاک پر لوٹتا ہے۔ اگر اُسے جلد آزاد نہ کیجئے گا۔ تو خونِ ناحق سر پر لیجئے گا + چند روز میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ مہاراج نے اُسے تو کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن بیٹی کو کہلا بھیجا۔ کہ تو جا کر اپنے شمعِ جمال کا پرتو اُس پر ڈال۔ شاید تجھ پر پروانہ وار پگھل جائے۔ اور اُس کی متاعِ غرور جل جائے +

چتراوت یہ بات سُن کر نہایت شاد ہوئی۔ جلد آپ کو آراستہ کیا۔ حُسنِ مادرزاد کو زیب و زینت سے دوناکر دیا۔ پھر نرملا و چپلا بھی بن ٹھن کر زہرہ و مشتری کے مانند اُس ماہ رو کے ساتھ ہولیں۔ غرض تینوں شاہزادے کے پاس پہنچیں

گئی زنداں میں وہ رشکِ زلیخا ۔ وہاں اُس یوسفِ ثانی کو دیکھا +

پر اسے نذر وہ لائی تھی جو جو ۔ دکھائی الفور اُس کے آگے سب کو +

وہ کیا تھا یعنی دنداں مثلِ گوہر ۔ عقیق لب بھی برگِ گل سے خوش تر +

پھر ایسے ساعدِ سیمیں دکھائے ۔ کہ چاندی چاندکی جن سے لجائے ✤
رُخِ گل رنگ کا وہ زر دکھایا ۔ چمک نے جس کی سورج کو جلایا ✤
پھر آنکھوں کے اُسے دکھلائے بادام ۔ عوض عنبر کے زلف عنبریں فام ✤

لیکن شاہزادے کی نظرِ قبول اُن میں سے کسی پر نہ پڑی۔ اور کوئی چیز اُس کی نگاہ پر نہ چڑھی۔ فی الواقع اگر چترِاوت کی آتشِ باطن تاثیردار نہ ہوتی۔ تو پھر اُس کے تحفۂ ظاہری خراب جاتے۔ ساری محنت رائگاں ہوتی ✤

سُن اے عزیز۔ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے عبادت کو بادشاہِ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا۔ عجز سے کہا۔ کہ عبادت تیری میں نے جیسی چاہیئے نہیں کی۔ پھر کس کا مُنہ ہے کہ اپنی عبادت پر نازاں ہو؟ بہتر یہی ہے کہ آپ کو اُس کی محبت کی کھریا میں یہاں تک پگھلائے۔ کہ اکسیر کے مانند خاک ہو جائے۔ تا شاہانِ اکسیر پسند کی آنکھوں میں سونے سے زیادہ نظر آئے ✤

القصّہ جب چترِاوت نے دیکھا کہ چشمِ جادو اور تیغِ ابرو سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ ناطاقت ہو کر شاہزادے کے آگے گر پڑی۔ تڑپنے لگی۔ یہاں تک کہ شاہزادہ کے دل کو صدمہ پہنچا۔ بے اختیار اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ اور اُس کو آغوش میں کھینچ لیا شادی قبول کی۔ کیونکہ بے اس کی خاطرداری اور رضامندی کے کسی طرح اپنی رہائی نہ دیکھی ✤

نرملا نے فی الفور خوش خبری راجہ کو پہنچائی۔ کہ چترِاوت گلِ مراد سے دامن بھر کر گھر میں آئی۔ چتر سین نے فی الفور شاہزادے کو بندی خانے سے نکالا حمام میں بھیجا۔ اور خلعتِ شاہانہ مرحمت فرمایا۔ پھر ایک مکان دلچسپ رہنے کو دیا۔ اور نیک ساعت دیکھ کر اپنے خاندان کی رسم کے موافق اُس دُرِ ناسُفتہ کو اُس لعلِ گراں بہا کے ساتھ بیاہ دیا ✤

جب پہر رات گزری بکاؤلی کے مندر کی طرف چلا۔ چند روز سے جو اُس گرفتار دامِ بلا کو نہ دیکھا تھا۔ تڑپ رہی تھی۔ اور سر دے دے مارتی تھی۔ اتنے میں شاہزادہ بھی جا پہنچا۔ دیکھتے ہی شاد ہوگئی سنبھل بیٹھی۔ لیکن ہاتھ پاؤں کی منہدی دیکھ کر اُس رشکِ چمن کا مُنہ غصے سے لال ہُوا۔ دل کو صدمہ کمال ہُوا۔ طاقت خموشی کی جاتی رہی۔ کہنے لگی۔ واہ واہ شاہزادے اتنے دنوں کے بعد آئے۔ مگر خوب رنگ لائے۔ عاشقوں کا نام تو نے ڈبویا۔ وفا کو داغ لگایا۔ زنہار عاشقی کا دم اب کبھی نہ بھرنا۔ اور اپنا عشق کسی سے ظاہر نہ کرنا

مثنوی

ارے سنگ دل تو نے یہ کیا کیا۔ کر انصاف اپنے ہی دل میں ذرا +
مرا جسم گل رنگ ہو جائے سنگ۔ حنا کا ہو پھر تیرے ہاتھوں پہ رنگ +
میں پتھر کی ہو کر رہوں یوں پڑی۔ کرے عیش تو غیر سے ہر گھڑی +
مرا غنچۂ دل یہاں داغ کھائے۔ وہاں اَور گل کو گلے تو لگائے +
غضب ہے کہ معشوق غم سے جلے۔ شب و روز دستِ تاسف ملے +
جو عاشق ہو خوش ہو کے دھومیں مچائے۔ وہ ماتم نشیں ہو یہ شادی رچائے +
مٹے نام چاہت کا اے بدگہر۔ پڑیں پتھر ایسی تری چاہ پر +
اُٹھے درد و غم کی مرے دل میں ہُوک۔ کرے چین تو حیف تاج الملوک +
جو رنجش کی باتوں کو اُس نے سُنا۔ لگا بید سا کانپنے سر دُھنا +
کہاں ہے ترا کس طرف آج دھیان۔ خیال ایسے دل میں نہ لا میری جان +
اگرچہ ہوں شاہزادۂ نامدار۔ مگر ہوں ترا بندۂ جاں نثار +
بلاشبہ ہوں مالکِ تخت و جاہ۔ میں تیرا ہوں مملوک اے رشکِ ماہ +
مرا گوشت اور پوست ہے سب ترا۔ ترے ہاتھ مدت سے میں بک چکا +
یہ جلوے نے دیوانہ مجھ کو کیا۔ کہ اپنوں سے بیگانہ مجھ کو کیا +

مرے دل کو جس دن سے بھائی ہے تو۔ ان آنکھوں میں جب سے سمائی ہے تو +
مجھی سے کوئی چیز بھاتی نہیں۔ نظر میں کوئی شے سماتی نہیں +
ترے پاؤں سامنہ نہیں چاند کا۔ تصدق ہے تجھ پر سے یہ دل مرا +
سوا تیرے پھر کس سے اے دلربا۔ یہ عاشق ترا ہووے گا مبتلا +
نہیں اور تجھ سی کوئی دوسری۔ پڑے آنکھ کس پر بھلا اب مری +
نہ مجھ سے کبھی ہو جیو بدگماں۔ میں عاشق بدل ہوں ترا میری جاں +
یہ کیا دخل ہے حکم سے گر پھروں۔ جو فرمائے فوراً وہی میں کروں +
تعلق نہیں اور کے ساتھ ہے۔ مرا جینا مرنا ترے ہاتھ ہے +
مگر کیا کروں سخت ناچار تھا۔ بڑی قید میں میں گرفتار تھا +
مجھے خواہش کدخدائی نہ تھی۔ مگر بے کئے بھی رہائی نہ تھی +
نہ کرتا جو اس کام کو میں بھلا۔ تو آ کر تجھے دیکھتا کس طرح ؟
میں اس قید خانے میں مرتا اُدھر۔ تو اس غمکدے میں تڑپتی ادھر +
پہنچتی نہ میری خبر تجھ تلک۔ نہ حالت ترے درد کی مجھ تلک +
فقط اپنا ہی دیکھتا جو ضرر۔ تو کرتا نہ یہ بات اے سیم بر +
مجھے اپنا جی ایسا پیارا نہ تھا۔ مگر تیرا نقصاں گوارا نہ تھا +
یقیں تھا مرے دل کو اس بات کا۔ جئے گی نہ تو بھی جو میں مر گیا +
اسی ڈر سے یہ امر میں نے کیا۔ مجھے ورنہ شادی سے کیا کام تھا +
پری نے یہ سن کر غضب سے کہا۔ بھلا جھوٹھ اتنا ہے کیوں بولتا +
کوئی بیاہ کرتا نہیں جبر سے۔ حذر چاہیئے ہے مرے صبر سے +
وفا اور محبت تری دیکھ لی۔ یہ دو دن کی چاہت تری دیکھ لی +
تجھے عیش و عشرت مبارک رہے۔ مجھے رنج و زحمت مبارک رہے +

تجھے مجھ سے اس حال میں کام کیا۔ بُرے وقت کا کون ہے جز خدا +
سُنا اس طرح سے جو اُس نے کلام۔ لیا اپنا دل دونوں ہاتھوں سے تھام +
دمِ سرد بھر بھر کے رونے لگا۔ دل و جاں کو ہاتھوں سے کھونے لگا +
پری نے جو دیکھا اُسے اشک بار۔ لگی آپ بھی رونے بے اختیار +
یہ حالت بڑی دیر طاری رہی۔ کہ دونوں طرف آہ و زاری رہی +
پھر آخر کو وہ عاشقِ بے قرار۔ گرا اُس کے قدموں پہ بے اختیار +
پری بھی تحمّل نہ کچھ کر سکی۔ اُٹھا کر سر اُس کا گلے لگ گئی +
کہ میں تجھ سے جی میں نہیں کچھ خفا۔ یہ شکوہ زبانی فقط تھا مرا +
ہے منظور بس مجھ کو تیری خوشی۔ خفا ہونے والی میں صدقے گئی +
وہی مصلحت تھی جو تو نے کیا۔ ہیں عورت ہوں آخر مری عقل کیا +
ہوا تجھ سے جو مجھ کو وہ سب قبول۔ نہ ہو تو ذرا اپنے دل میں ملول +
ہزاروں میں کل رو اگر تیرے پاس۔ تو ہے جان و دل سے مگر میرے پاس +

القصّہ اسی طرح کے کلام آپس میں رہے۔ پہر گھڑی اُدھر سے ناز تھا۔ اس طرف سے نیاز تھا + القصّہ تاج الملوک نے اپنے قید ہونے کا اور چترا وت سے شادی کرنے کا ماجرا مفصّل بیان کیا۔ اور اُس آئینہ رو کے دل سے غبارِ کدورت بالکل دھویا۔ اتنے میں صبح نمود ہوئی تاج الملوک گھر گیا +

اسی طرح بلا ناغہ ہر شب بکاؤلی کے پاس جاتا تھا۔ اور دن چترا وت کے ساتھ نقل و حکایات میں کاٹتا تھا + وہ شاہزادے کی ایسی حرکات سے نہایت حیران تھی۔ اور اپنے دل میں کہتی تھی۔ یا الٰہی طرفہ ماجرا یہ ہے۔ کہ باوجود اس قربت کے میرے دل کی آگ شاہزادے کے پنبۂ راز کو سُلگاتی نہیں۔ اور اُس کے خرمنِ تحمّل کو جلاتی نہیں + تعجّب ہے کہ یہ دل و دل آرام ایک گھر میں ہیں۔ اور تفاوت

پورب پچھم کا ساہے +

اے عزیز جب تک تیرے دل کی آنکھیں اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہیں. تجھے یار کی صورت نظر نہیں آتی - ہر چند بے پردہ ہو۔ پہلے خارِ رغبتِ اغیار کو دل کی سرزمین سے اُکھاڑ کر پھینک دے ۔پھر گلِ رُخسارِ یار کو آئینۂ دل میں دیکھ لے۔ اگر تو اپنے گلشنِ وجود کو بہ نظرِ تامل دیکھے۔ تو اُن میں رنگ و بُو کے سوا کچھ نہ پاوے +

القصہ چتراوت نے شاہزادے کا گلہ اپنے باپ سے کیا۔ اور اُس کی بے التفاتی کا سارا حال کہا+ راجہ نے کئی جاسوس شاہزادے کے پیچھے لگائے۔ تا اس بات کو جلد تحقیق کریں۔ کہ یہ تمام رات کہاں رہتا ہے+ وہ اسی تلاش میں تھے۔ کہ یہ اُسی وقت پھر گھر سے نکلا۔ اور اُسی مندر میں گیا۔ رات بھر رہا صبح ہوتے ہی پھر محل میں داخل ہوا+ فوراً اُنھوں نے جا کر راجہ سے عرض کی۔ کہ شاہزادہ فلانے مندر میں صبح تک رہتا ہے+ اُس سیہ دل نے کئی سنگ تراش چالاک دست اُسی وقت بھیجے۔ کہ اُس کو کھود کر پھینک دیں۔ اُنھوں نے بموجب حکم کے اُس مندر کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ تاج الملوک جو اپنی عادت پر وہاں گیا۔ تو اُس کا نشان بھی نہ پایا+ دیوانوں کی مانند وہاں کی خاک پر لوٹنے لگا اور یہ رباعی پڑھنے لگا +

اے جان اگر کھوج ترا پاؤں میں - مر مر کے وہاں آپ کو پہنچاؤں میں +
کچھ ہو نہیں سکتا ہے کروں کیا اے کاش - پھٹ جائے زمین اور سما جاؤں میں +

آخر نااُمید ہو کر ڈاڑھیں مار مار رویا۔ اور پھر آیا۔ چند روز تو اُس کو بے قراری کی لذت اور آہ و زاری کی کثرت رہی جب مایوس ہوا۔ رونے کا بھی حاصل نہ دیکھا چتراوت کی جادو بھری باتوں پر دھیان کیا +

بکاؤلی کی کسان کے ہاں پیدائش

کہتے ہیں کہ اُس بتخانے کی زمین کو ایک کسان نے جوتا۔ اور وہاں سرسوں بوئی تاج الملوک

کبھی کبھی اُس کے سبزے کو دیکھنے جاتا تھا۔ اور اپنے دل بے قرار کو وہاں کے سبزے سے تسکین دیتا تھا۔ جب وہ پھولی اور اُس نے بہار پیدا کی۔ تب شاہزادہ دونوں وقت وہاں جانے لگا۔ اور یہ رباعی پڑھنے لگا۔

کیا رنگ تمہارا ہے کہو تو پوچھوں ۔ آتی ہے مجھے عشق کی اس رنگ سے بو؛

نکلے ہو زمیں سے اس لئے پوچھتا ہوں ۔ گلشن سے مرے کچھ بھی خبر رکھتے ہو؟

القصہ وہ کھیت پکا۔ اور کسان نے کاٹ کر اُس کا تیل نکالا۔ از بس کہ کسانوں کا چلن یہ ہے۔ کہ جو چیز کھیت میں اُگتی ہے۔ اُس کو پہلے آپ کھاتے ہیں۔ اس لئے وہ اُس کی جورو کے کھانے میں آیا۔ باوجود کہ وہ بانجھ تھی۔ خدا کی قدرت کاملہ سے حاملہ ہوئی۔ اور نو مہینے کے بعد لڑکی پری پیکر جنی + کسان کا گھر بے چراغ اندھیرا تھا۔ اُس شمع کے پرتو سے روشن ہو گیا۔ ہر طرف دھوم پڑی۔ کہ ایک بانجھ کے گھر سرسوں کے تیل کی تاثیر سے ایک لڑکی نہایت حسین ایسی پیدا ہوئی۔ کہ اُس کے حُسن کی تعریف کسی سے نہیں ہو سکتی + مُنہ کی چمک نے چودھویں رات کے چاند کو ماند کر دیا۔ جب چودہ برس کی ہوگی تب سورج کو بھی داغ دے گی +

رفتہ رفتہ یہ بات تاج الملوک کے بھی کان تک پہنچی۔ جانا کہ یہ تاثیر اُسی سرسوں کی ہے۔ کسان کو اُس کی بیٹی سمیت بُلوا بھیجا۔ جوہیں نظر اُس لڑکی پر پڑی۔ اُس کی شکل اپنی معشوقہ کے مطابق پائی۔ نہایت شاد ہوا۔ سمجھا کہ یہاں اُس نے جنم لیا ہے۔ بہت سے روپے اُس کسان کو دے کر رخصت کیا۔ کہ اس لڑکی کو بخوبی پرورش کر +

جب وہ سات برس کی ہوئی۔ ہر طرف سے اُس کی شادی کے پیغام کسان کو آنے لگے۔ لیکن وہ اس اندیشے سے کہ شاہزادے نے پرورش کے واسطے تاکید شدید کی تھی۔ خدا جانے آگے اُسے کیا منظور ہے۔ کہ میری جان پر آ بنے۔ سب کو صاف جواب دیتا۔ اور بہانہ یہ کرتا۔ کہ جس وقت وہ سیانی ہوگی۔ جسے پسند کرے گی اُس کے ساتھ بیاہ دونگا +

قصہ مختصر جب اُس نے دسویں برس میں پاؤں رکھا۔ تاج الملوک نے اُس دہقان کے پاس ایک مشاطہ کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا۔ کہ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردے۔ یہ سُن کر وہ بیچارہ کانپنے لگا۔ کہ مجھ غریب و عاجز کا یہ مُنہ کہاں۔ کہ بادشاہ کے داماد کو اپنا داماد کروں + اُس کا آخر یہی پھل ہوگا۔ کہ میری بیٹی لونڈی ہو کر رہے گی۔ ہزار افسوس ایسی مہا سندر راجہ کی بیٹی کی چیری بناؤں۔ اور اُس کے آگے اسے کمواؤں +

یہ سُن کر لڑکی نے کہا۔ سُنو بابا میرا نام بکاؤلی ہے۔ میں پری ہوں۔ تم ایسے اندیشے نہ کرو۔ سب طرح خاطر جمع رکھو۔ کچھ وسواس نہیں۔ کہ کلِ زنگیں کی جگہ آخر سر پہ ہے۔ اور دُرِ بے بہا کا مکان شاہوں کا افسر ہے۔ تم شاہزادے سے کہلا بھیجو۔ کہ چندے اَور بھی توقف کرے +

کسان بیچارہ چپ ہو رہا۔ مشاطہ نے آکر سب ماجرا حضور میں عرض کیا۔ تاج الملوک سُنتے ہی مارے خوشی کے پھول گیا۔ سارا غم و الم بھول گیا۔ اور اُس کو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا +

جب بکاؤلی کے نحوست کے دن آخر ہوئے۔ سیکڑوں پریاں چاروں طرف سے وہاں آئیں۔ اور سمن رو پری بھی پوشاک پُر تکلف اور جواہرات بیش قیمت لے کر مع تختِ زرّیں آکر حاضر ہوئی + بادشاہزادی نے کپڑے بدلے۔ گہنا پہنا۔ جب بَن ٹھَن چکی۔ ماں باپ سے کہا۔ کہ میں اتنے دنوں تمہارے گھر مہمان تھی۔ اب رخصت ہوتی ہوں۔ باپ کا ہاتھ پکڑ کے اُس مکان کے پچھواڑے لے گئی۔ اور اشرفیوں کا دیگچہ کسی زمانے کا گڑا ہؤا بتا دیا۔ کہ اُس کو نکال کر خرچ میں لاؤ + پھر رخصت ہوئی۔ اور تخت پر سوار ہو بیٹھی + پریاں فی الفور اُس کو اُٹھا کر لے اُڑیں۔ اور جس جگہ کہ تاج الملوک چترا وت اور نرملا اور چپلا کو لئے بیٹھا تھا۔ آکر اُتریں +

بکاؤلی نے سب کو وہیں چھوڑا۔ آپ اکیلی اندر گئی۔ اور چترا وت کا ہاتھ پکڑ کر مہتوں

کی طرح ناز سے گلے لگ گئی۔ وہ اُس کی سج دھج دیکھ کر یہ بے حواس ہوئی۔ کہ مسند سے دب کر بیٹھی۔ پھر پری نے تمام اپنی سرگزشت شاہزادے سے کہی۔ اور اُس کی سُنی + پھر چترا وت سے کہا۔ کہ اگر شاہزادے کی رفاقت منظور ہو۔ تو بسم اللہ اُٹھ کھڑی ہو۔ وہ تمہارا گھر ہے۔ کچھ اندیشہ نہ کرو +

چترا وت نے کہا۔ کہ میری جان شاہزادے کے ساتھ ہے۔ پھر اس جسم خالی کو کیونکر رکھ سکوں گی۔ بدل حاضر ہوں +

اُسی وقت بکاؤلی نے پریوں کو اشارے سے کہا۔ کہ تم ظاہر ہو۔ نقل کرتے ہیں کہ چپہ بھر زمین سنگلدیپ کی پریوں سے خالی نہ رہی۔ شہر میں دھوم پڑ گئی۔ لوگ گھبرائے یہاں تک کہ راجہ مضطر ہو کر بیٹی کے محل میں دوڑا آیا۔ دیکھتے ہی اُس کو شاہزادہ استقبال کے واسطے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند قدم بڑھا۔ اور اپنی مسند پر بٹھایا۔ پھر اپنا اور بکاؤلی کا احوال مفصل کہہ کر سُنایا۔ پہلے تو بہت ساکُڑھا۔ پھر نہایت خوش ہوا۔ اور چترا وت کا ہاتھ پکڑ کر بکاؤلی کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا کہ یہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ تیری پرستاری کے واسطے دیتا ہوں۔ توقع کہ اس پہ نظر مہربانی کی رکھیو۔ اور اپنی لونڈی جانیو +

یہ کہہ کر رخصت کیا۔ تاج الملوک تخت پر سوار ہوا۔ بکاؤلی اور چترا وت داہنے بائیں بیٹھیں۔ اور نرملا اور چپلا ادب سے سامنے۔ پھر پریاں تخت کو لے کر اُڑیں۔ بات کی بات میں تاج الملوک کی ڈیوڑھی پر جا کر رکھ دیا۔ پھر دولت خانے میں داخل ہوئے۔ دلبر اور محمودہ دیکھتے ہی شاہزادے کو نہایت شاد ہوئیں۔ پھر بکاؤلی اور چترا وت سے خوشی ملیں +

پُرانی کتابوں کے نئے اڈیشن

اُردو کی بعض پرانی کتابیں زبان میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے۔ کہ پہلے زمانے کے لکھنے والوں کا طرزِ تحریر کیسا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اُس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کتابوں کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ اسی غرض سے ان کتابوں میں سے دلچسپ قصّے انتخاب کر کے مڈل اور ہائی جماعتوں کے کورس میں درج کئے جاتے ہیں۔ طالب علم جب ان کتابوں کا حال کہیں پڑھتے ہیں۔ یا ان کا انتخاب کہیں دیکھتے ہیں۔ تو ان کا جی پوری کتاب پڑھنے کو چاہتا ہے۔ لیکن ان کتابوں کے جو نسخے بازار میں بکتے ہیں۔ ان میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے۔ کہ ان میں کئی ایسی خلافِ تہذیب باتیں درج ہوتی ہیں۔ جن کا طلباء کی نظر سے گزرنا اچھا نہیں۔ اس کے علاوہ وہ پُرانے ڈھنگ سے چھپی ہوتی ہیں۔ نہ ان میں کہیں نیا پیرا شروع ہوتا ہے۔ نہ فقرہ ختم ہونے پر کوئی ڈیش کا نشان بنایا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا پڑھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس خیال سے ہم نے اس سال ان میں سے بعض کتابوں کے نئے ڈیشن تیار کئے ہیں۔ جن میں سے اپنی طرف سے کوئی لفظ بڑھائے بغیر قابلِ اعتراض فقرے ایسی طرح سے کاٹ دیئے ہیں۔ کہ کتاب کے تسلسل میں فرق نہیں آنے پایا۔ اس کے علاوہ نئے طریق کے مطابق جگہ جگہ پیرے بنائے۔ اور علامات وقفہ زیادہ کر دی ہیں۔ جن کی وجہ سے اب یہ

کتابیں اس قابل ہوگئی ہیں۔ کہ بلا تکلف مدارس کی لائبریریوں میں رکھی جائیں + سب کتابیں اعلیٰ کاغذ پر حُسن اہتمام سے چھاپی گئی ہیں۔ سب پر نہایت خوب صورت سرورق ہے۔ اور اندر باکمال مصوروں سے بنوا کر سہ رنگی تصویر درج کی گئی ہے + فی الحال تین کتابیں تیار ہیں +

باغ و بہار یا چہار درویش

میر امّن والے کی لکھی ہوئی غیر فانی کہانی۔ جس میں چار درویش اپنی اپنی عجیب و غریب داستان سُناتے ہیں۔ اُردو کا کونسا تذکرہ ایسا لکھا گیا ہے۔ یا لکھا جا سکتا ہے۔ جس میں اس کتاب کا بیان نہ ہو + اس کی زبان نہایت صاف شستہ اور بامحاورہ ہے۔ اور دو چار جگہ سے قطع نظر کرکے تمام کتاب آج کل کے روزمرّہ کے موافق ہے اور اُس کی اُردو فصیح اور مستند ہے۔ جو شخص اُردو زبان کا معمولی مطالع بھی کرنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے اس کتاب کا پڑھنا بے حد ضروری ہے۔ اور جو شخص اُردو کی مشہور اور اہم کتابیں جمع کرنا چاہتا ہو۔ اس کی لائبریری اس کتاب کے بغیر کسی طرح مکمل نہیں ہو سکتی۔ ساتھ ہی ایک مفصل مقدمہ جس میں کتاب کے محاسن پر نہایت قابل قدر بحث ہے۔ از پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب دہلوی۔ ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس

قیمت عہ۱۲ آر

اندر سبھا

امانت لکھنوی نے نواب واجد علی شاہ کی فرمائش پر اندر سبھا لکھ کر گویا اُردو ڈرامے کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ ڈراما پُرانا ہو چکا۔ مگر آج تک اسٹیج ہوتا ہے۔ اور اپنے محاسن کے اعتبار سے اُردو میں بے انتہا اہم مرتبہ رکھتا ہے۔ اس کے مطالعے کے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ اُردو ڈراما کس طرح شروع ہوا۔ اور اس نمونے کے بعد ہمارا موجودہ ڈراما اس سے کس طرح پیدا ہوا۔ اور اب کدھر کو جا رہا ہے۔ ناٹک ساغر کے نامور مصنفوں محمد عمر اور نور الٰہی صاحبان نے اس پر ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس ڈراما پر بحث کر کے نہایت مفید معلومات بہم پہنچائی۔ اس کتاب کا بھی ہر اُردو دان کی لائبریری میں موجود ہونا بے حد ضروری ہے۔ قیمت ۱۰ ر

ملنے کا پتہ

دار الاشاعت پنجاب لاہور

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو رلیا رام پرنٹر چھپی اور سید ممتاز علی صاحب نے

(شائع کی)